قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا پچھترواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

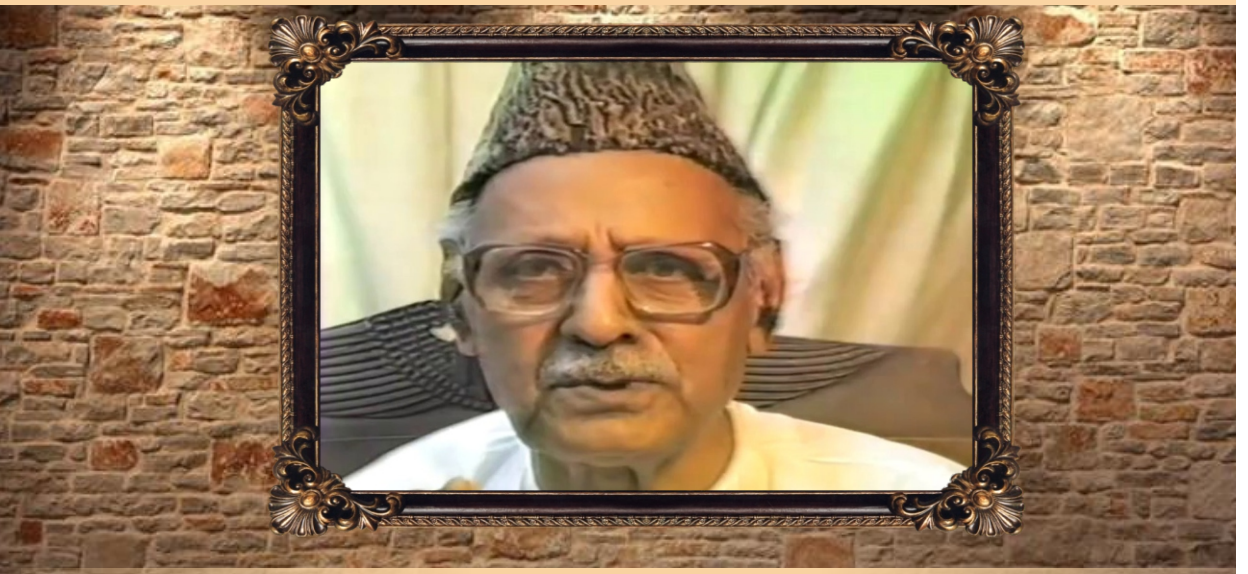
لاہور

فروری 2018ء

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

''لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' (الحدیث)

حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے



مجھے اپنے فہم قرآن کے متعلق کبھی یہ دعویٰ نہیں ہوسکتا کہ وہ سہو و خطا سے منزہ ہے۔ یہ قرآن فہمی کی ایک انسانی کوشش ہے اور ہر انسانی کوشش کی طرح اس میں غلطیوں کا امکان ہے۔ لہٰذا! میری تحریر میں جو کچھ آپ کو صحیح نظر آئے، وہ نورِ قرآنی کا تصدق ہے اور جہاں کہیں سہو و خطا دکھائی دے، وہ میرے ذہن کی نارسائی۔ (پرویز، معراجِ انسانیت)

طلوعِ اسلام کا مقصد

جو احباب طلوع اسلام سے تعارف نہیں رکھتے ان کی آگاہی کے لئے ہم طلوع اسلام کے مقصد کو وقتاً فوقتاً سامنے لاتے رہتے ہیں:

1- تنہا عقل انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت نہیں کرسکتی۔ اسے اپنی راہنمائی کے لئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی ضرورت۔

2- خدا کی طرف سے عطا شدہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے ابد تک ضابطہ ہدایت ہے۔ لہٰذا اب نہ خدا کی طرف سے کسی کو وحی مل سکتی ہے نہ کوئی نبی یا رسول آسکتا ہے۔ قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور حضور رسالتماب ﷺ خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

3- قرآن کریم کا ہر دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔ قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس حد تک انسانی علم ترقی کر چکا ہے وہ انسان کے سامنے ہو اور چونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے تمام کائنات انسان کے لئے تابع تسخیر کر رکھی ہے اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر ضروری ہے۔

4- نبی اکرم ﷺ کی سیرت مقدسہ، شرف و عظمت انسانیت کی معراج کبریٰ ہے۔ یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا جو حصہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی یا یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن سے باہر ہے سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضور ﷺ پر (معاذ اللہ) کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ بات غلط ہے۔ اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے۔ یہی اصول صحابہ کبارؓ کی سیرت مقدسہ کے سلسلہ میں بھی سامنے رکھا جانا چاہئے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

5- دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے چھڑا کر ان سے خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرائے۔ قوانین کی یہ اطاعت ایک نظام مملکت کی رو سے ہوسکتی ہے اس کے بغیر دین (جو نظام زندگی کا نام ہے) متمکن نہیں ہوسکتا۔

6- رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے دین کا نظام قائم فرمایا۔ اس نظام میں قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت کرائی جاتی تھی اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں، ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے امور مملکت امت کے مشورہ سے سرانجام پاتے تھے۔

7- رسول اللہ ﷺ کے بعد دین کا وہی نظام حضور ﷺ کے خلفائے راشدینؓ نے جاری رکھا۔ اس میں امور مملکت سرانجام پانے کا وہی طریقہ تھا جو

بقیہ صفحہ نمبر 68 پر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

فروری 2018ء

جلد 71 | شمارہ نمبر 02

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: پرویزؔ اور فکرِ پرویزؔ ایک تعارف	ادارہ	4
اتاترک کا آخری پیغام	ادارہ	9
فکرِ پرویز۔۔۔ایک مختصر ترین تاثر	جمیل احمد عدیل	10
سرسید کے مذہبی رجحانات اور سائنس	مرزا شاہد برلاس، کراچی	16
بچوں کا صفحہ: ہم عید کیوں مناتے ہیں؟	ادارہ	20
نوجوانوں کا صفحہ: نخلِ سینا (نشست نمبر 3)	محمد علی صابر صدیقی	22
خواتین کا صفحہ: عورت اور قرآن	جمیلہ خاتون پالوی، بھارت	26
بطور انسان سب برابر	ڈاکٹر محمد راحیل اکبر، لاہور	29
قرآن اور شاعری	پرویز	34
دیت کا قرآنی مفہوم	خواجہ ازہر عباس، کراچی	38
دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہ پاکستان (قسط نمبر 11)	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	43
قیام پاکستان کے بعد پہلی عید کی کہانی	محمد سلیم اختر خاں	53

ناشر و چیئرمین: محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون: 50 روپے فی پرچہ
پاکستان: 550 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 800 روپے سالانہ
بیرونِ ملک: 2500 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 5000 روپے سالانہ

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546 , Cell: 0321-4460787
idarati@gmail.com
www.facebook.com/Talueislam

ENGLISH SECTION

***Manzil ba Manzil* (منزل بہ منزل)**
Chapter 6: Tears of passion (*Shola-e-Namnaak* شعلہ نمناک)
– To my fellow travelers (Tulu-e-Islam Convention, April, 1962)
(Translated by: M. Alam) 55

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672

For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

تو رازِ کن فکاں ہے، اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا
ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہوجا، محبت کی زباں ہو جا
یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل! اچھل کر بے کراں ہو جا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم! اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا
خودی میں ڈوب جا غافل! یہ سر زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا
مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
گزر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا
ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

پرویز اور فکرِ پرویز ایک تعارف

(غلام احمد پرویز کے مختصر حالاتِ حیات)

علامہ اقبالؒ نے دمِ واپسیں فرمایا تھا:

سرُودِ رفتہ باز آید کہ ناید — نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے — دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

علامہ غلام احمد پرویزؒ (رحمۃ اللہ علیہ) کی ولادت مورخہ 9 جولائی 1903ء کو (موجودہ مشرقی پنجاب کے) ضلع گورداسپور کے قصبہ بٹالہ میں ہوئی۔ آپ کے دادا، مولوی، چوہدری، رحیم بخش حنفی مسلک کے ایک جید عالم اور سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے ایک ممتاز بزرگ ہونے کے علاوہ ایک ماہر طبیب اور سنسکرت کے عالم تھے۔ علامہ غلام احمد پرویزؒ کی ابتدائی تربیت اپنے دادا کی زیرِ نگرانی ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ میٹرک تک پہنچتے پہنچتے ان کی نگاہ کی مشرقی مغربی افقین کافی وسیع اور ''باطنی علوم'' کی گہرائیاں کافی عمیق ہو چکی تھیں۔

بی۔اے پاس کرنے کے بعد سول سروس میں چلے گئے اور 1954ء میں جب کہ آپ وزارتِ داخلہ میں اسسٹنٹ سیکریٹری کے عہدہ پر فائز تھے۔ قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تا کہ اپنے قرآنی مشن کو پورا وقت دے سکیں۔

اس دوران میں آپ کی زندگی علمی معرکہ آرائیوں سے عبارت رہی۔ 1932ء میں ابوالکلام آزاد کے تفسیری ترجمہ 'ترجمان القرآن' کی پہلی جلد شائع ہوئی۔ انہوں نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کے سلسلے میں اپنے اس نظریہ کی تبلیغ بڑی صراحت سے کی تھی کہ:

> ''عالمگیر سچائیاں دنیا کے ہر مذہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ اس لئے تمام مذاہب سچے ہیں لیکن پیروانِ مذہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سرِ نو اختیار کر لیں تو میرا کام پورا ہو گیا۔ یہ فراموش کردہ سچائی کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عمل کی زندگی۔ یہ کسی ایک گروہ کی میراث نہیں کہ اس کے سوا کسی انسان کو نہ ملی ہو۔ یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے۔''

علامہ پرویزؒ کی بصیرتِ قرآنی کے مطابق یہ نظریہ اسلام کو اس کی جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ یہ برہمو سماج کی تعلیم تو ہو سکتی ہے قرآن کی نہیں۔ اس لئے آپ نے اس کی تردید میں ایک تفصیلی مقالہ لکھا جو ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) (سید

سلیمان ندوی کی زیرِ ادارت) کی جنوری 1933ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

اس زمانے میں ابوالکلام آزاد کی شہرت ثابہ ثریا پہنچی ہوئی تھی۔ وہ قلم اور زبان کے بادشاہ اور علم کے سمندر سمجھے جاتے تھے۔ علماء کی صف میں وہ امام الہند قرار دیئے جاتے تھے۔ ان کی پیش کردہ تفسیر کی مخالفت اور وہ بھی ایک ''غیر مولوی'' کی طرف سے کسی کے حیطۂ تصور میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ لیکن یہ علامہ پرویزؒ کی جرأتِ ایمانی تھی کہ آپ نے سب سے پہلے اس تفسیر پر اپنی تنقید شائع کی۔

1926ء میں ریاست بہاولپور کی ایک عدالت میں ایک مسلمان خاتون نے دعویٰ دائر کیا کہ اس کا خاوند قادیانی مسلک اختیار کرنے سے مرتد ہو گیا ہے لہٰذا اس شخص سے مدعیہ کا نکاح فسخ قرار دیا جائے۔ یہ مقدمہ قریب نو سال تک زیرِ سماعت رہا اور آخر الامر محمد اکبر صاحب (مرحوم) ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر نے 7 فروری 1935ء کو اس کا فیصلہ سنا دیا۔ یہ فیصلہ علامہ پرویزؒ کے ایک مضمون ''میکانکی اسلام'' میں ضمناً بیان کردہ نبی کی تعریف کی بنیاد پر سنایا گیا تھا۔ جس کا ذکر فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں وضاحت کے ساتھ کیا تھا۔ اس طرح قادیانیوں کو پہلی بار کافر قرار دینے کی علمی بنیاد علامہ پرویزؒ کی فراہم کردہ تھی۔ بعد میں آپ نے اس موضوع پر ایک کتاب ''ختم نبوت اور تحریکِ احمدیت'' 1974ء میں شائع کی۔

علامہ اقبالؒ کے خاکہ کے مطابق جناب پرویزؒ نے سلسلہ ''معارف القرآن'' کی ابتدا 1928ء میں کی۔ پہلی جلد کا عنوان تھا۔ ''اللہ'' جو بعد میں ''من و یزداں'' کے نام سے شائع ہوئی۔ پھر ''ابلیس و آدم'' تحریر کی۔ جس میں آدم۔ ابلیس۔ ملائکہ۔ جن۔ شیطان۔ وحی۔ رسالت وغیرہ عنوانات پر قرآنی تصریحات پیش کی گئیں۔ معارف القرآن کی تیسری جلد ''جوئے نور''۔ چوتھی جلد ''برقِ طور'' اور پانچویں جلد ''شعلۂ مستور'' حضرت نوحؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک انبیاء کرامؑ کے حالات زندگی کو محیط ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ بعنوان ''معراجِ انسانیت'' شائع کی۔ وحی کی ضرورت اور اہمیت اجاگر کرنے کے لئے ڈھائی ہزار سال کی فکری کاوشوں کا نچوڑ۔ ''انسان نے کیا سوچا''۔ کے عنوان سے ایک کتاب میں پیش کیا۔ جس کو پڑھنے سے یہ حقیقت ابھر اور نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ عقلِ انسانی۔ انسانی مسائل کو حل کرنے میں کس طرح ناکام رہی ہے اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ وحی کی رو سے انسانی مسائل کا حل کیا ہے۔ آپؒ نے ایک کتاب بعنوان۔ ''اسلام کیا ہے؟'' شائع کی۔ معاشی مسئلہ ہمارے دور کا اہم ترین مسئلہ شمار ہوتا ہے۔ اس دور میں معاشی نظریات کی بنیاد پر دنیا دو بڑے بلاکوں میں منقسم تھی۔ اس مسئلہ کے قرآنی حل کو پیش کرنے کے لئے آپ نے متعدد تقاریر کیں اور مضامین شائع کئے جن میں سے کچھ ''خدا اور سرمایہ دار'' نامی کتاب کی شکل میں شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ ایک مبسوط تصنیف ''نظام ربوبیت'' شائع کی۔

تقدیر کا مسئلہ صدیوں سے الجھا چلا آ رہا ہے۔ اس مسئلہ کو قرآن کی روشنی میں حل کرنے کے لئے آپؒ نے ''کتاب التقدیر'' تحریر کی۔ آخرت کے متعلق قرآنی توضیحات کو ایک کتاب بعنوان ''جہانِ فردا!'' میں شائع کیا اور اس طرح قریب چالیس سال کی محنتِ شاقہ سے سلسلہ معارف القرآن کو تکمیل تک پہنچایا۔

علامہ احمد امین مصری (مرحوم) نے اپنی کتاب فجر الاسلام میں بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ دیگر قوموں کے تصورات کس طرح رفتہ رفتہ مسلمانوں پر اثر انداز ہوتے گئے اور یوں قرآن کے تصورات کی جگہ غیر قوموں کے تصورات نے لے لی۔

چنانچہ آج جسے مذہبِ اسلام کہا جاتا ہے۔ یہ مجموعہ ہے مختلف قوموں سے مستعار تصورات کا جن پر لیبل قرآنی اصطلاحات کا لگا دیا گیا ہے۔ ان تصورات سے اور تو اور عربی زبان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی تھی کہ قرآنِ حکیم کے الفاظ کا کوئی ایسا لغت مرتب کیا جائے جس میں نہ صرف الفاظ کے وہ معنی دیئے جائیں جو زمانہ نزولِ قرآن میں رائج تھے بلکہ ان الفاظ کے پس منظر میں قرآنی تصورات کی بھی وضاحت کی جائے۔۔۔۔ یہ کام ایک آدمی کے کرنے کا نہ تھا' لیکن اگر انسانوں کی ایسی جمعیّت موجود نہ ہو تو؟ جناب پرویز ہمت ہارنے والے نہ تھے چنانچہ آپ نے چار جلدوں میں ایک ایسا لغت تیار کر دیا جس کی تیاری میں اپنی قرآنی بصیرت کے علاوہ قریب پچاس عربی لغت حوالے کے لئے استعمال کئے۔

اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ جناب پرویزؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

''اس لغت کے شائع ہونے کے بعد ایک دن ایک عراقی عالم مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ حکومتِ پاکستان کے رابطۂ عوامی کے ایک آفیسر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس نے کہا کہ عراقی علماء کی ایک تنظیم قرآنِ مجید کا لغت مرتب کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس کے لئے انہوں نے چاہا ہے کہ جہاں جہاں قرآن کا لغت مدون کرنے کا کام ہوا' یا ہو رہا ہو' ان حضرات سے مل کر اس سلسلہ میں ضروری معلومات حاصل کی جائیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس سلسلہ میں مجھ سے ملنے آئے ہیں اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ تنظیم کون سی ہے جس کے زیر انتظام تمہارے لغت کی تدوین کا کام شروع کیا گیا۔ وہ جماعت کن علماء پر مشتمل تھی' جس نے اس لغت کو مرتب کیا۔ اس کی تکمیل میں کتنا عرصہ لگا۔ اس پر کس قدر خرچ اٹھا۔ اس کی اشاعت کا انتظام کس نے کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔ میں نے ان سے کہا کہ اس کے لئے نہ کوئی تنظیم تھی' نہ جماعت' نہ کوئی مالی ذریعے تھے نہ مادی اسباب۔ یہ سب کچھ میں نے تنہا کیا ہے اور اس کے ساتھ یہ تمام کتابیں بھی تصنیف اور شائع کی ہیں جو آپ کو ان الماریوں میں نظر آ رہی ہیں۔ وہ صاحب خندۂ زیر لبی سے یہ سب کچھ سنتے رہے۔ میں کسی کام کے لئے گھر کے اندر گیا۔ باہر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایکا ایکی اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت طنزیہ انداز سے علیک سلیک کرتے ہوئے واپس جا رہے ہیں۔ ان کا یہ انداز اور اقدام ایسا ناقابل فہم تھا کہ ان سے اس کی وجہ دریافت کرنے کو جی ہی نہ چاہا۔ کچھ دنوں بعد' رابطۂ عوامی کے اس افسر سے جو ان کے ساتھ آئے تھے سرِ راہ میری ملاقات ہوئی' تو میں نے ان سے پوچھا کہ اس دن کیا بات ہوئی تھی؟ انہوں نے کہا کہ آپ اندر گئے ہیں تو ان صاحب نے کہا یہ شخص بالکل غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص تنہا اتنا کام کر لے' سو جب یہ اصلی بات بتانا نہیں چاہتا تو اس سے کچھ پوچھنا بیکار ہے۔ میں یہ سن کر مسکرایا اور ان سے کہا کہ خیر گذری میں نے انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ اس دوران میں میں نے تیس سال سرکاری ملازمت بھی کی ہے (اس نے اسے بتا دیا تھا)۔'' (طلوع اسلام' دسمبر 1978ء صفحہ 49)۔

سلسلۂ معارف القرآن اور لغات القرآن کے علاوہ جناب پرویزؒ نے ''مفہوم القرآن'' تین جلدوں میں مرتب کیا۔ قریب ڈھائی ہزار عنوانات کے تحت قرآنی مضامین کو مرتب کر کے ''تبویب القرآن'' شائع کی اور ''مطالب الفرقان'' کے نام

سے تفسیر مرتب کر رہے تھے جس کی سات جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

سلیم کے نام خطوط (تین جلدوں میں) اور ''طاہرہ کے نام خطوط'' قرآنی تعلیمات پر مشتمل ادب پارے ہیں۔ کم تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے اسلامی معاشرت اور پھر قرآن کے بیان کردہ قوانین۔ بعنوان ''قرآنی قوانین'' اور انگریزی زبان میں کتاب۔۔۔۔ (Islam a Challenge to Religion) اس پر مستزاد ہیں۔ غرض کس کس کاوش کا ذکر کیا جائے۔ پرویز صاحب کے قلم سے نکلی ہوئی کتابوں کی فہرست ایک نظر دیکھ لیجئے:

1۔ مفہوم القرآن	2۔ لغات القرآن
4۔ مطالب الفرقان (جلد اوّل)	3۔ تبویب القرآن
5۔ مطالب الفرقان (جلد دوم)	6۔ مطالب الفرقان (جلد سوم)
7۔ مطالب الفرقان (جلد چہارم)	8۔ مطالب الفرقان (جلد پنجم)
9۔ مطالب الفرقان (جلد ششم)	10۔ مطالب الفرقان (جلد ہفتم)
11۔ من و یزداں (اللہ کا صحیح تصور)	12۔ ابلیس و آدم
13۔ جُوئے نور	14۔ برقِ طور (داستانِ حضرت موسیٰؑ)
15۔ شعلۂ مستور (داستانِ حضرت عیسیٰؑ)	16۔ معراجِ انسانیت (سیرت رسول ﷺ)
17۔ مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں	18۔ انسان نے کیا سوچا؟
19۔ اسلام کیا ہے	20۔ کتاب التقدیر
21۔ جہانِ فردا (مرنے کے بعد کیا ہوگا؟)	22۔ شاہکارِ رسالت (سیرتِ فاروق اعظمؓ)
23۔ نظامِ ربوبیت (قرآن کا معاشی نظام)	24۔ تصوف کی حقیقت
25۔ قرآنی قوانین	26۔ سلیم کے نام خطوط (جلد اوّل، دوم، سوم)
27۔ طاہرہ کے نام خطوط	28۔ ختم نبوت اور تحریکِ ''احمدیت''
29۔ حسنِ کردار کا نقشِ تابندہ (قائداعظمؒ)	30۔ اقبالؒ اور قرآن (اوّل، دوم)
31۔ مجلسِ اقبالؒ اوّل (شرح مثنوی، اسرار و رموزِ خودی)	32۔ مجلس اقبالؒ دوم (شرح مثنوی، پس چہ باید کرد۔۔۔)
33۔ قائداعظم کے تصور کا پاکستان (مجموعۂ مقالات و خطبات)	34۔ بہارِ نو (مجموعہ مقالات و خطبات)
35۔ اسلامی معاشرت (روزمرہ کے متعلق قرآنی احکام)	36۔ اسبابِ زوالِ اُمت
37۔ جہاد (جہاد کے متعلق قرآنِ کریم کے احکامات)	38۔ خدا اور سرمایہ دار (مجموعۂ مقالات و خطبات)
39۔ سلسبیل (مجموعۂ مقالات و خطبات)	40 فردوسِ گم گشتہ (مجموعہ مقالات و خطبات)

ان علمی کارناموں کو سرانجام دینے کے علاوہ آپ نے تحریکِ پاکستان میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ قائداعظمؒ کے ارشاد کے مطابق دہلی سے ماہنامہ طلوع اسلام جاری کیا جو اپنے پہلے دور میں اپریل 1938ء سے مئی 1942ء تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا اور اس کے ذریعے آپ نے تحریک پاکستان کے مخالف نیشنلسٹ علماء کے مقابلے میں قلمی جہاد کیا۔ اس دور میں یہ واحد جریدہ تھا جس نے تحریک پاکستان کے دینی پہلو کو اجاگر کیا اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تحریک پاکستان کی صحیح اور مکمل تاریخ طلوع اسلام کے اس دور کے فائل کے بغیر مرتب نہیں کی جا سکتی۔

قائداعظمؒ پروٹوکول کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ انہیں کوئی شخص پیشگی وقت لئے بغیر نہیں مل سکتا تھا لیکن یہ شرف جناب پرویزؒ کو حاصل تھا کہ آپؒ کسی بھی وقت قائداعظمؒ سے ملاقات کر سکتے تھے۔ باوجود اتنے قریب ہونے کے جناب پرویزؒ نے کبھی اس بات کو فخریہ بیان نہیں کیا اور نہ ہی پاکستان بن جانے پر کوئی مراعات حاصل کیں۔

پاکستان بن جانے کے بعد جنوری 1948ء میں آپؒ نے دوبارہ طلوع اسلام شائع کرنا شروع کیا۔ جو باقاعدگی سے تاحال جاری ہے۔ پاکستان بن جانے کے بعد پاکستان کے دشمن عناصر بھی یہاں ہجوم کر کے آ گئے اور یہاں آ کر پر پرزے نکالنے لگے۔ اب ان کے پیش نظر مقصد یہ تھا کہ ان کی مخالفت کے علی الرغم اگر پاکستان بن ہی گیا ہے تو اس میں وہ نظام نہ رائج ہونے دیا جائے جس کے لئے اسے حاصل کیا گیا تھا۔ وہ اسلام کی آڑ میں یہاں تھیاکریسی رائج کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ اب دوبارہ جناب پرویزؒ کو ان کے خلاف قلمی جہاد کرنا پڑا۔ قراردادِ مقاصد اور علماء کے بائیس نکات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جن پر جناب پرویزؒ نے تفصیلی تنقید کی۔ آپؒ نے تفصیلاً بتایا کہ جسے علماء سنت کہتے ہیں وہ نہ تو متفق علیہ ہے کہ اس کی رو سے کوئی متفق علیہ قانون مرتب کیا جا سکے۔ علماء کا سنت پر اس قدر زور دینا محض اس لئے ہے کہ یہاں قرآنی نظام رائج نہ کیا جا سکے۔ مخالفین سے آپؒ کے پرزور دلائل کا جواب تو بن نہ پڑا۔ انہوں نے آپؒ کے خلاف فتویٰ کفر دے دیا جس پر ایک ہزار ''علماء'' کے دستخط ثبت تھے۔

ضخیم تصانیف کی لمبی فہرست۔ ماہنامہ طلوع اسلام کے ہزارہا صفحات۔ ہفتہ وار درس اور تقاریر کے ٹیپس (Tapes) کا ڈھیر جو اب سی ڈی/ ڈی وی ڈی کی شکل میں دستیاب ہیں نیز تسوید کے بعد (42) بیالیس جلدوں پر مشتمل ''مطالب القرآن فی دروس الفرقان'' کے نام سے مکمل سیٹ کی طباعت بھی ہو چکی ہے۔ تحریکِ پاکستان میں' باوجود سرکاری ملازم ہونے کے سرگرم شمولیت' قائداعظمؒ سے قرب حاصل ہونے کے باوجود مراعات حاصل کرنے سے انکار' اپنے خلاف کفر کے فتوؤں سے بے پروا ہو کر اپنے مشن میں مگن۔ اپنی ہزار سالہ تاریخ کھنگال ڈالئے۔ ہے کوئی ایک بھی ایسا شخص جس نے تنِ تنہا اتنا زیادہ اور اتنا ٹھوس کام کیا ہو؟

5 اکتوبر 1984ء کو آپ نے آخری بار درسِ قرآن دیا اور اس کے بعد مسلسل بستر علالت پر رہے۔ اور 24 فروری 1985ء کو شام چھ بجے آپؒ اس دار فانی سے انتقال فرما گئے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (55:26-27)

کیونکہ ؎

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اتاترک کا آخری پیغام

''ترکی کے نوجوانو! تمہارا اولین فریضہ ترکی کی آزادی کا تحفظ ہے۔ اسی پر تمہاری ہستی اور مستقبل کی بنیاد ہے۔ یہی تمہاری بیش بہا متاع ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد تم میں ایسے لوگ پیدا ہوجائیں یا بیرونی قوتیں یہ مشٹوم ارادہ کرلیں کہ تمہیں اس متاع گراں بہا سے محروم کردیا جائے۔ اس لئے اگر کسی ایسے دن تمہیں پکارا جائے کہ آؤ۔ اپنی آزادی کے تحفظ کا سامان کرو۔ تو تمہیں اس آواز پر فوراً لبیک کہنا ہوگا۔ بے تامل اور بے توقف لبیک، خواہ حالات کیسے ہی نامساعد کیوں نہ ہوں۔

شاید حالات اس درجہ ناسازگار ہوجائیں کہ خود تمہاری عزت بھی معرض خطر میں ہو اور جو لوگ تمہاری آزادی کو سلب کرنا چاہتے ہیں، انہیں ایسی ایسی فتوحات حاصل ہوجائیں کہ جن کی مثال نہ ملتی ہو۔ ملک کے تمام قلعے تمہارے ہاتھوں سے نکل جائیں۔ تمام اسلحہ خانے دشمن کے قبضہ میں چلے جائیں۔ ہمارے تمام لشکر منتشر ہوجائیں اور دشمن ملک کے کونے کونے پر مسلط ہوجائے۔ نہیں! بلکہ حالات یہاں تک مایوس کن ہوجائیں کہ خود تمہارے ارباب اقتدار ملک کی حفاظت کی طرف سے بے پروا اور بے راہ رو ہوجائیں اور وہ اپنے مفاد کو خود حملہ آوروں کے مفاد سے منسلک کرلیں۔ درآں حال کہ قوم بھوک اور فلاکت سے دم توڑ رہی ہو۔

لیکن اے تُرکئ مستقبل کے جانباز بچو! ایسے حوصلہ شکن اور روح فرسا حالات میں بھی تمہارا فریضہ یہی ہونا چاہئے کہ تم ترکی کی آزادی کو بچاؤ۔ اس کے لئے تمہیں جس قوت کی ضرورت ہے وہ کہیں باہر سے نہیں آئے گی، وہ اس خون میں موجود ہے جو تمہاری رگوں میں موجزن ہے۔''

پاکستان کے شاہین بچو! اتاترک کا یہ پیغام تمہارے لئے بھی ہے۔ اگر تم نے بھی اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرنا سیکھ لیا تو تم دیکھ لوگے کہ حالات کس طرح خود بخود سازگار ہوتے چلے جاتے ہیں۔

مسلم استی! سینہ را از آرزو آباد دار ہر زماں پیشِ نظر لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ دار

مفہوم: تم مسلمان ہو (اس کا تقاضا یہ ہے کہ) اپنے سینے کو ''آرزو'' سے آباد رکھو۔ ہر لحہ اپنی نگاہوں کے سامنے قرآن کریم کی آیت ''لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ۝'' (3:9) رکھو۔ (ا۔س)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ بیشک اللہ وعدہ خلافی کبھی نہیں کرتا)

(مطبوعہ طلوعِ اسلام، دسمبر 1948ء)

جمیل احمد عدیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکرِ پرویز۔۔۔ایک مختصر ترین تاثر

جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ہے، یہ کوئی تیس بتیس سال پرانی بات ہے، یعنی یہی کوئی آٹھ دس برس کی عمر میں ہماری سماعت سے یہ فقرہ ٹکرایا تھا ''لو جی! مسلمانوں میں پرویزیوں کے نام سے ایک نیا فرقہ ایجاد ہو گیا ہے۔'' یہ الفاظ ہمارے ایک پیر پرست مہربان کی زبان سے ادا ہوئے تھے۔ یہ صاحب پاکپتن میں ہمارے میزبان تھے۔ یہ تھا ''فکرِ پرویز'' سے ہمارا پہلا تعارف۔ عہدِ طفولیت میں بھلا ہمیں اس ''فرقے'' سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی، تاہم تجسس کا پہلا بیج اسی دن بو یا گیا۔ کئی سال گزر گئے، لیکن نہ جانے کیوں متذکرہ نیم طنزیہ تعارفی جملہ ہمیں بھولا نہیں، تا آنکہ ہمیں دسویں جماعت میں ایک بزرگ استاد کے روبرو زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقع ملا۔ رحیم بھٹہ صاحب اس ہستی کا اسم گرامی ہے۔ جواب کافی معمر ہو چکے ہیں۔ ''جماعت احمدیہ'' کے برگزیدوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ہمیں رحیم صاحب کے بے حد احترام کے باوجود ان کے مذہبی اعتقادات سے اتفاق نہیں ہے۔ ان کے متعلق اور کیا کہیں بس غالبؔ کا یہ شعر عرض کر سکتے ہیں ؎

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں ۔۔۔ مانا کہ اِک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

اس عاجز پر رحیم صاحب کے لاتعداد احسانات میں سے سرفہرست یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں ''فکرِ پرویز'' سے باقاعدہ متعارف کروایا۔ ان کی وساطت سے ہی غلام احمد پرویز کی تصنیف ''قتلِ مرتد'' ہمیں ملی۔ میٹرک کا سٹوڈنٹ ایک علمی کتاب سے جتنا استفادہ کر سکتا ہے، ہم نے بھی کیا۔ آپ اس سے اندازہ کر لیں کہ کم و بیش ربع صدی گزر جانے کے باوصف نہ صرف اس کتاب کے مندرجات ہمیں اچھی طرح یاد ہیں بلکہ اس حوالے سے پرویز صاحب کے مثبت نقطہ نظر نے مستقل ہمارے قلب و ذہن میں جگہ بنا لی۔ بعد میں ایسی کئی تقریریں اور تحریریں ہماری سماعتوں اور بصارتوں سے ٹکرائیں جن میں ارتداد کو جرم ثابت کرنے کے لئے بعض روایتی سوچ رکھنے والوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا، لیکن سچی بات ہے ان کی ایک بات بھی دل کو نہ لگی۔ اسی طرح غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق پرویز صاحب نے جو صراحت کی، وہ اتنی معقول ہے کہ اس کا ہر جواب پوچ ہے۔ بعض علمی مجالس میں ہم نے ''رسک'' لے کر اس باب میں بعض ثقہ علماء کرام سے براہ راست استفسارات کر کے بھی دیکھ لیا، لیکن جواباً ہمیں قابل رحم عجز کا مشاہدہ ہی کرنا پڑا اور ہم سوچتے ہی رہ گئے کہ محض ایک شخص کی معاندت اور غیر مستند تاریخ و روایات کی صنم پرستی نے انہیں کیسے دن دکھا دیئے ہیں کہ کائنات کی پاکیزہ ترین شخصیت ﷺ کا تقدس بھی انہیں عزیز نہیں رہا کہ بلا جھجک زبان پر ایسی ناروا باتیں لے آتے ہیں کہ حضور ﷺ سے محبت رکھنے والے ایک عام اور گنہگار مسلمان کی روح بھی کانپ اٹھتی ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں راستی کا راستہ دکھائے۔

قصہ مختصر علم وادب سے وابستگی جیسے جیسے پختگی کے مراحل طے کرتی گئی غلام احمد پرویز مرحوم کی تصانیف کا مطالعہ جاری رہا۔ اگرچہ اس دوران میں کئی پڑاؤ آئے طویل وقفے بھی آئے ؎

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

1983-85ء کا عرصہ بی۔اے کے طالب علم کی حیثیت سے ایف سی کالج میں گزرا۔ ہوسٹل میں مقیم رہے۔ اچھی طرح معلوم تھا کہ 25/B گلبرگ 2۔ پرویز صاحب کی رہائش ہے۔ یہ بھی خبر تھی کہ آپ ہر ہفتے درس قرآن دیتے ہیں۔ ''ثواب طاعت وزہد'' جاننے کے علی الرغم جانے کیوں طبیعت ادھر نہیں آئی۔ تعلق خاطر جانے کس کس نوع کے دار و رسن کی اور لئے پھرا بس ادھر رخ نہ ہوسکا ''ورنہ قریب تر تھا شبستاں کھلا ہوا''۔ حقیقت یہ ہے سب سے بڑی نعمت' نعمت کی موجودگی کا احساس ہے اور ہمیں بھی اس نعمت کا احساس اس دن ہوا جب یہ نعمت روئے ارض پر موجود نہ رہی۔ ایک دم قدرت اللہ شہاب کے افسانے ''چندراوتی'' کا پہلا فقرہ یاد آیا ہے:

''جب مجھے چندراوتی سے محبت شروع ہوئی۔ اسے مرے ہوئے تیسرا روز تھا.....''۔

صاحبو! ہم وہ تاریخی دن کیسے بھول سکتے ہیں' جی ہاں 25 فروری 1985ء (1) ہم اپنے کزن سے ملنے ایف۔سی کالج سے ریواز گارڈن گئے۔ واضح رہے ان دنوں ہمارے پاس ایگل کی بائیسکل ہوا کرتی تھی اور پورا لاہور اس کے دو پہیوں کی گردش میں سمٹنے پر مجبور بلکہ ''مجبورِ محض'' تھا۔ وہیں ریواز گارڈن میں اخبار کے پہلے صفحے پر ہماری نظر پڑی' پرویز صاحب کے سانحہ ارتحال کی خبر نے بے کل کر دیا۔ ان کی موت سے زیادہ افسوس ہمیں یہ لاحق ہوگیا کہ اتنا قریب ہونے کے باوجود ان سے مل نہیں سکے' انہیں سن نہیں سکے' ان کی زیارت نہیں کر سکے۔ اسی تاسف نے جسم وجاں میں ایک عجیب سی توانائی بھر دی' اپنی سائیکل اٹھائی' ریواز گارڈن سے سیدھے 25/B گلبرگ پہنچے۔ سفر آخرت کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ پرویز صاحب ایک چارپائی پر پڑے ابدی نیند سو رہے تھے۔ ان سے محبت کرنے والے ان گنت احباب اردگرد موجود تھے' کہیں آنسو رواں ہیں' کہیں دبی دبی سسکیاں تو کہیں قدرے بلند آواز میں گریہ۔ پرویز صاحب کے بھائی (مرحوم) ڈاکٹر عارف بٹالوی سب کو تسلیاں بھی دیتے جاتے تھے اور خود روتے بھی جا رہے تھے۔ ہم نے بار بار جی بھر کے اس عظیم انسان کو دیکھا جس نے ایک عہد کو متاثر کیا تھا۔ برآمدے میں ایک عمر رسیدہ شخص اونچی آواز میں اپنے محسن پرویز صاحب کو یاد کر رہا تھا۔ اس کا نام مرزا سلطان بیگ (نظام دین) تھا۔ جنازہ روانہ ہوا۔ ہم بھی اس جلوس میں شامل رہے۔ منی مارکیٹ کی گراؤنڈ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ تدفین کا مرحلہ آیا تو بھی ہم موجود رہے۔ ہمیں اچھی طرح یاد ہے ان کے کسی عزیز نے دور سے (غالباً کراچی سے) پہنچنا تھا' چنانچہ تدفین کے مرحلے کو کچھ مؤخر کر دیا گیا کہ فلائٹ کا انتظار کیا جانے لگا۔ اس دوران میں کہ ان کی آخری آرامگاہ تیار ہو چکی تھی' پاس چارپائی پر ان کی میت پڑی تھی۔ قریب ہی جناب حنیف رامے نے اپنی چادر بچھا دی۔ ہم لوگ ان کے کہنے پر وہاں بیٹھ گئے۔ ان دنوں رامے صاحب کا ایک مضمون جو روزنامہ ''جنگ'' میں چھپا تھا' بے حد متنازع ہونے کی وجہ سے ہر حلقے میں موضوع گفتگو بنا ہوا تھا۔ اس خاکسار نے اس مضمون کی بابت رامے صاحب سے جو دو ایک سوالات پوچھے تو اچھی خاصی محفل جم گئی۔ بڑی گرما گرم باتیں ہوئیں۔ واپس آ کر اس گفتگو کے تضمنات پر مبنی اور پرویز صاحب کے آخری سفر کی روداد' جو

دس بارہ صفحات پر مشتمل تھی، ہم نے رحیم صاحب کو خط کی صورت میں بھیجی تھی، کیا عجب ان کے پاس یہ مفصل خط محفوظ ہو۔

بہرنوع وقت کا دریا اپنے غیر متعین تعینات کے ساتھ بہتا رہا۔ ہم ''طلوع اسلام'' کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتے رہے۔ ایک آدھ کنونشن میں شریک ہونے کی سعادت بھی ملی۔ کبھی کبھار پرویز صاحب کی کسی کتاب میں سے بھی گزرنے کا موقع ملتا رہا۔ ''فکر پرویز'' سے تعلق رکھنے والے دوستوں، اسلم صابر صاحب، محمود الحسن صاحب، ڈاکٹر اسلم نوید صاحب اور دیگر منسلکین سے رابطے رہے، مکالمات کا تبادلہ ہوتا رہا، ذہنی افق پھیلتا رہا۔ لیکن حق یہ ہے کہ پرویز کو پڑھنے اور سمجھنے کا حق ابھی ادا نہیں ہوا تھا۔ اب سے کوئی تین سال قبل کی بات ہے کہ یہ عاجز بسلسلہ ملازمت ساہیوال میں مقیم تھا۔ وضاحت کر دیں کہ ہمارا تعلق شعبہ تدریس سے ہے۔ کوئی 15/16 سال ہو گئے ہیں، مختلف کالجوں میں پڑھاتے ہوئے۔ 2001ء میں جب ڈسٹرکٹ گورنمنٹس کا ڈول ڈالا گیا تو ہماری رضا معلوم کیئے بغیر ''جبراً'' ہمیں کلاس روم سے اٹھا کر آفس میں بھیج دیا گیا۔ ممکن ہے عامیوں کی نگاہ میں ''ڈائریکٹر کالجز'' ہونا عزت کی بات ہو پر ہمیں تو یہ سراسر قید بامشقت کے مشابہ عمل محسوس ہوا۔ لہٰذا دو اڑھائی سال مسلسل سفارشیں ڈھونڈتے رہے کہ کوئی ''رجل غیب'' ہمیں اس جھنجٹ سے نجات دلا دے، ہم باز آئے اس ''ایجوکیشن افسری'' سے۔ سیدھی سی بات ہے ہم تو انہیں لفظ و حرف ہی ماننے کو تیار نہیں جو لٹریچر (علم و ادب) سے واسطہ نہ رکھتے ہوں اور یہاں تو اعداد تھے، ہندسے تھے، لایعنی میٹنگز تھیں، انکوائریاں تھیں ٹیکنیکل انسپیکشنز تھیں، فزیبلٹی رپورٹس تھیں، Expenditure State Ments تھیں، آڈٹ تھے، جی حضوری کی ایک زنجیر تھی۔ دستور یہی تھا کہ اوپر والوں کی ہر نامعقول بات ہنسی خوشی سہو اور نیچے والوں پر خوب خوب رعب گانٹھو۔ کیا عرض کریں اس افسری لائن میں تلخیاں ہی تلخیاں تھیں، چنانچہ اب بھی یہ گنگناتے رہتے ہیں ''جنہیں ہم بھولنا چاہیں وہ ''افسر'' یاد آتے ہیں۔''

خیر وہ جسے Good out of Evil کہتے ہیں۔ اس کی رو سے مذکورہ اذیت بلکہ ''شر'' میں سے ہمیں بھی خیر کے کچھ پہلو ضرور ملے۔ میر درد نے کیا عمدہ شعر کہا ہے ؎

خیر و شر کو سمجھ کہ ہیں دو زہر سانپ کی زیست ہی تجھے سم ہے

یہ درست کہ لمحۂ موجود میں ہم آزاد ہیں، اس ''سمناک'' ماحول سے ہمیں چھٹکارا مل چکا ہے لیکن یہ بہت بڑا سچ ہے کہ اگر اس Misery کا ہمیں ذاتی طور پر تجربہ نہ ہوا ہوتا، زندگی کی سفاک جہتوں کے ہم خود شاہد نہ ہوتے تو ممکن ہے پرویز صاحب کی تصانیف میں موجود ''زندگی کے زہر'' کو نوشِ جاں کرنے کی صلاحیت سے عاری رہتے۔ وہی بات ؎

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلّی، نہ طُور پر دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

صاحبو! آپ ذرا سوچئے وہ فرد جس نے چالیس برس مذہبی گھرانے، مذہبی معاشرے میں بتائے ہوں کیا وہ مذہب کے بغیر لقمہ بھی توڑ سکتا ہے؟ نہیں جناب یہ قریب قریب ناممکن ہے۔ اس فرد کے طرزِ احساس کی بُنت میں مذہب کا Fibre بنیادی تانے بانے کے طور پر شامل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر اتفاق سے کوئی ایسا واقعہ اس فرد کے ساتھ پیش آ جائے کہ اسے ''بدنصیبی'' سے اپنے مخصوص مذہبی نظریات کو خالص معروضیات کی دھوپ میں کھینچنا پڑ جائے، غیر جانبدار ہو کر ان کا جائزہ لینا پڑ جائے، ہر خوش

عقیدگی کو منہا کر کے ان کا تجزیہ کرنا پڑ جائے تو عین ممکن ہے نتائج کی بے رحم صورت دیکھ کر اس فرد کو ہارٹ اٹیک آ جائے اور وہ سچائی کی تاب نہ لا کر اس دنیا سے ہی کوچ کر جائے۔

دوستو! یہ خاکسار عربی' فارسی' انگریزی اور اردو کے بہت بڑے عالم پرویز کو اپنا محسن کیوں نہ قرار دے کہ ہمیں موت کی وادی سے بچانے والا یہ واحد بندہ ہے۔ بات جسمانی موت کی نہیں' مسئلہ ذہنی موت کا ہے۔ ہمیں پرویز نے ذہنی موت سے بچایا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو ذہنی موت سے قبل جسمانی طور پر مر جائے اور بدقسمت ہے وہ انسان جو ذہنی موت کے بعد جسمانی سطح پر زندہ رہے۔ کوئی اس عذاب کو کیا سمجھ سکتا ہے۔

دفتری زندگی کے دوران ایک مرتبہ نہیں ان گنت مرتبہ ایسا ہوا کہ زندگی بغیر کسی آراستگی کے' بغیر کسی ورق کے' ہر Drapery سے مکمل بے نیاز سامنے آتی رہی۔ ایسے لمحے بار بار آئے کہ غیبی قوتوں کی اشد ضرورت محسوس ہوئی' لیکن یہ کیا کہ Stretch the Truth والا فارمولا بلکہ مجرب نسخہ بھی آزما کر دیکھ لیا' پر ہوا کچھ نہیں' جو زمینی حقائق تھے' وہ جوں کے توں رہے' جو سچ تھا' وہ وہی رہا۔ اسباب کا جادو ہی سر چڑھ کے بولا' علت اور معلول کے بیچ رشتے کی توانائی اس شدت سے ابھر کر سامنے آئی کہ I was Stumped.

طاقچے کے خطوط پڑھتے پڑھاتے عمر بیت گئی تھی' کچھ پلے نہیں پڑا تھا' یہ پرویز ہی تھا جس نے اقبال کے یہ شعر یوں سمجھائے کہ ہمیں ''کلیات اقبال'' میں انہیں اس نیت سے تلاش کرنا پڑا' کہیں یہ اشعار پرویز نے خود گھڑ کر تو اقبال سے منسوب نہیں کر دیئے' آپ بھی سنئے ۔

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی — مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری — مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

جی ہاں صاحبو! یہ پرویز صاحب کی ''کتاب التقدیر'' تھی جس کے بالاستعیاب مطالعہ نے وہ گرہ کھول دی جو ذہن میں بیس برس سے پڑی ہوئی تھی' کس کس نکتہ ور کی بارگاہ میں ناصیہ فرسائی نہیں کی تھی ہر کہیں سے ایک سا ہی جواب موصول ہوا تھا۔ ''نہ کہیں جہاں میں اماں ملی' جو اماں ملی تو کہاں ملی''۔ اس معرکہ آرا کتاب کے مطالعہ کے بعد سب سے پہلے تو اپنے اللہ سے ہاتھ باندھ کر معافی مانگی کہ یارب الارباب! اس عاصی کو معاف کر دے کہ اب تک اپنا ہر جرم تیرے کھاتے میں ڈالتا آیا ہوں۔ تیرے قادر ہونے کا مفہوم اصفیاء و علماء نے مجھے یہی سمجھایا تھا کہ گناہ کی توفیق بھی تو دیتا ہے' نیکی کی سعادت بھی تو ہی بخشتا ہے۔ گمراہ بھی تو کرتا ہے' ہدایت کے جادے پر بھی تو ہی گامزن کرتا ہے۔ بندہ مجبور ہے' تیرے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہے' مختاری کی تہمت سے مہتم..... لیکن یہ پرویز تھا جس نے قرآن کھول کر دکھایا کہ نہیں نہیں یہ پاک خدا پر الزام ہے' اس نے تو ہر انسان کو مکمل اختیار دیا ہوا ہے اور پھر اس نے وہ آیات ایک ایک کر کے سمجھائیں جن میں تضاد محسوس ہوتا تھا' جو خدا کو غیر عادل ثابت کرتی تھیں' بے انصاف بتاتی تھیں۔ بندے کو مجبور صورت میں پیش کرتی تھیں۔ جب سارے عقدے کھل گئے تو زبان اپنے آپ یہ تلاوت کرنے لگی ۔

نہ یہ تقدیر کا لکھا تھا نہ منشائے خدا حادثے مجھ پہ جو گزرے مرے حالات میں تھے

ضمناً پرویز صاحب نے ہی وضاحت کی' قرآن مجید کی کوئی آیت تو دور کی بات ہے' ایک نقطہ' شعشہ تک بھی منسوخ نہیں۔ ورنہ بڑے بڑے زہاد پانچ سات آیتوں کے سامنے دم بخود یہ اقرار کرتے پائے گئے: اے آیتو! تم پر تو عمل نہیں ہوسکتا۔

سبحان اللہ یہ کریڈٹ اس پرویز کے کھاتے میں ہی لکھا جائے گا جسے سارے علماء صبح وشام کافر کافر کہتے نہیں تھکتے۔ آپ یقین کیجئے مسئلہ تقدیر سمجھ میں آنے کے بعد اس عاجز کو وہی لذت محسوس ہوئی جو پوری تحقیق کے بعد کسی نومسلم کو قبول اسلام کی ملکوتی ساعت میں محسوس ہوتی ہوگی۔

غلام احمد پرویز کا دوسرا بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے ختم نبوت کا حقیقی مفہوم سمجھا یا تفصیل پھر کبھی سہی' اجمالاً اتنا عرض ہے کہ احمدیوں کے ساتھ ہمارا بڑا وقت گزرا ہے۔ ہم نے ان لوگوں کو مجموعی طور پر اچھے کردار والے انسان پایا ہے' شرافت اور علم تقریباً ہر احمدی کے امتیازی اوصاف ہیں کہ ان کی جماعت منظم ہے' تربیتی نظام مثالی ہے لیکن ان لوگوں کے اعتقادات ریت کی دیوار ہیں۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب کیوں معروضی بنیادوں پر اپنا جائزہ نہیں لیتے؟ ہم اپنے طور پر اس کی دو وجوہ تلاش کر سکے ہیں۔ پہلی یہ کہ ہمارے علماء نے اس جماعت کے خلاف نفرت کی ایسی فضا تیار کی ہے کہ یہ لوگ اپنے کمزور عقیدوں کے ساتھ اور زیادہ مضبوطی سے جڑ گئے ہیں۔ اگر انہیں پیار کے ساتھ بات سمجھانے کی کوشش کی جاتی تو آج نتائج یکسر مختلف ہوتے۔ دوسری بات بھی خاص اہمیت کی حامل ہے کہ ختم نبوت کے باب میں عام مسلمانوں کا قریب قریب وہی موقف ہے جو خود قادیانیوں کا ہے۔ جی ہاں ایک آنے والے کا عقیدہ مسلمانوں کی میراث ہے۔ ''ہم نے احمدی علماء VS علمائے اسلام'' کافی مناظرے سنے ہیں۔ ہمیشہ یہی دیکھا کہ عام سے احمدی نے بھی اچھے بھلے عالم دین کو وہ عبارات دکھا کر لاجواب کر دیا جن میں غیر تشریعی نبوت کے اجرا کو ہمارے اکابرین نے تسلیم کیا ہے۔ اب یہ اکابرین عامی شامی نہیں' جید ہستیاں ہیں۔ اس نازک صورتحال میں علماء کرام اسی معروف تاویل کا سہارا لیتے ہیں کہ غیر تشریعی نبی سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ہے وہ چونکہ آسمانوں پر زندہ موجود ہیں' آخری زمانے میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) کے لئے تشریف لائیں گے۔ اس پر ذہین احمدی فوراً یوں گرفت کرتے ہیں۔ جناب! اصل چیز پھر ''ضرورت نبوت'' ہوئی۔ اگر تجدید واحیائے دین کے لئے پرانا نبی آسکتا ہے تو نیا کیوں نہیں؟ اور پھر وہ نیا جو قرآن کو منسوخ کرنے والا نہ ہو' حضور ﷺ کا امتی ہو۔ نیز ختم نبوت کے پھر معانی یہی ہوئے کہ حضور ﷺ فضیلت کے اعتبار سے سب سے بلند درجہ نبی ہیں' آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی پیروی میں کوئی نبی مبعوث ہو جائے تو آپ ﷺ کی ختمیت مرتبی متاثر نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی کے بعد متاثر نہیں ہوگی کیونکہ وہ اللہ کے نبی ہوں گے اور مسلم شریف کی احادیث کے مطابق ان پر وحی بھی اترے گی۔

دوستو! یہ جری شخص غلام احمد پرویز تھا جس نے قرآن کی رو سے توضیح کی' ختم نبوت کا مطلب ہے' حضورؐ ہر لحاظ سے آخری نبی ہیں۔ اب ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا' پرانا نہ نیا۔ قرآن بار بار شہادت دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام بھی اسی طرح وفات پا چکے ہیں جس طرح تمام انبیاء کرام رحلت فرما گئے ہیں۔ چنانچہ اب کسی کی آمد کا سرے سے کوئی سوال ہی نہیں کیونکہ ختم نبوت کا مطلب ''ضرورتِ نبوت'' کا خاتمہ ہے۔ اب ہدایت کا سرچشمہ صرف اور صرف قرآن ہے' کوئی نئی

وحی نہیں، حتیٰ کہ کسی مترادف نام ومتبادل عنوان سے بھی اللہ کا کلام کسی بندے پر نازل نہیں ہوگا' کیونکہ اللہ کا کلام حجت ہوتا ہے'اب قرآن کے بعد جو اس حجت کو بیچ میں لائے گا' وہ امت کو نئی تقسیم سے دوچار کرے گا۔

ویسے جملہ معترضہ کے طور پر ذرا غور کیجئے کہ احمدیوں کا مسئلہ سلجھانا کتنا آسان تھا یہ لوگ وفات مسیحؑ کے پہلے ہی قائل ہیں۔انہیں صرف خاتم النبیین کا مفہوم سمجھانے کی ضرورت تھی۔انہیں بتایا جاتا کہ آیات روایات پر مقدم ہیں۔جب آیات یہ اصولی فیصلہ دے رہی ہیں کہ نئی نبوت ممکن ہی نہیں تو آپ اس فیصلے کے آگے سرِتسلیم خم کردیں' کسی اور طرف آپ کو دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔واضح سی بات ہے کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ قول رسولؐ اور آیت ربانی میں تناقض ہو۔جب اللہ کی کتاب کہہ رہی ہے حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں تو پھر حضور ﷺ کا نقطہ نظر اس سے ہٹ کر کیسے ہوسکتا ہے؟ نتیجہ معلوم! دیکھنے والی چیز یہ ہے کہ ازسرنو جائزہ لیا جائے وہ فرامین جو حضور ﷺ سے منسوب کئے جارہے ہیں کیا وہ حضور ﷺ کے ارشادات ہیں بھی یا نہیں؟ پرویز صاحب نے ہی قوم کو سمجھایا کہ حدیث رسولؐ رہنمائی کا بلاشبہ سرچشمہ ہے لیکن یہ طے ہونا ازبس ناگزیر ہے کہ جسے حدیث رسولؐ کہا جارہا ہے وہ حدیث رسولؐ ہے بھی یا نہیں؟ اور ساتھ ہی انہوں نے بہترین معیار بھی مقرر کردیا ہے کہ جو قول قرآن کے مطابق ہے وہ قول رسولؐ ہے جو اس کے برعکس ہے وہ قول رسولؐ ہو ہی نہیں سکتا۔اس تناظر میں پرویز کو منکر حدیث کہنا سراسر ناانصافی ہے یا نہیں؟

غلام احمد پرویز کی علمی خدمات کا مختصر جائزہ بھی کئی جلدوں کی کتاب میں لیا جاسکتا ہے۔وقت آئے گا ان پر بڑی بڑی یونیورسٹیاں تحقیقی مقالے لکھوائیں گی' تب امت مسلمہ کو معلوم ہوگا کہ کتنا بڑا شخص ان میں ہوگزرا ہے۔ایسا شخص جس نے مدت العمر قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ سے ایسا عدیم النظیر عشق کیا کہ واقعتاً دور دور تک مثال دکھائی نہیں دیتی۔پچاس سے زائد تصانیف چھوڑ کر جانے والے پرویز نے کہیں نہیں کہا کہ میرا کہا حرفِ آخر ہے۔انہوں نے عمر بھر عجز وانکسار کی ردا اوڑھے رکھی اور یہی کہتے رہے کہ میں قرآن کا معمولی طالب علم ہوں' جس طرح مجھے سمجھ آئی' خلوصِ نیت سے اسی طرح آگے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔یہی بنیادی وجہ ہے کہ اتنا اہم علمی خزینہ تخلیق کرنے والے پرویز نے کسی فرقے کی بنا نہیں رکھی۔ان کی جماعت وہی تھی جو رسول کریم ﷺ کی جماعت تھی۔ظاہر ہے اللہ کے نبی نے اپنی امت کو فرقوں میں بانٹنا تو درکنار دیکھنا بھی پسند نہیں کیا' اسی لئے پرویز صاحب نے بھی علامہ اقبال کی طرح بس ایک فکر دی ہے' اب اس نابغہ عصر کی فکر سے پوری کی پوری امت کتنا نور کشید کرتی ہے' یہ اس پر منحصر ہے۔انہوں نے شروع سے لے کر آخر تک قرآن مجید کی شرح اپنی ضخیم تصانیف میں محفوظ کردی ہے۔جو ایک مربوط نظام فکر سے بجا طور پر معنون کی جاسکتی ہے۔اب یہ ہمارا کام ہے کہ روشنی کے اس مینار سے استفادہ کرتے ہوئے اس قرآنی معاشرے کی تشکیل کریں جس میں مسرتیں ہوں' بدعنوانیاں نہ ہوں' محبتیں ہوں' خوشحالیاں ہوں' انسانی ذوات نشوونما پائیں' امن ہو' فساد نہ ہو' افلاس کا عذاب نہ ہو۔سب اپنے سوہنے اللہ کے قوانین کی اطاعت کریں اور اس کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا ہی پیار کریں جتنا ان کی خوبصورت ذات سے ان کے دوستوں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ اور دیگر مخلص احباب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تھا۔

☆.....☆.....☆

مرزا شاہد برلاس، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرسید کے مذہبی رجحانات اور سائنس

یوں تو سرسید نے بھی شاہ عبدالعزیز دہلوی کے اسی مدرسہ سے تعلیم حاصل کی تھی جس سے دارالعلوم دیوبند کے بانیوں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور مولانا قاسم نانوتوی نے حصول علم کیا تھا۔ لیکن سرسید کا مذہبی رجحان تمام معاصر علماء سے مختلف تھا جو تقلید کے قائل تھے جبکہ سرسید کی فکر نو نے ان کو اجتہاد کی ضرورت کا قائل کر دیا تھا۔ اپنے اسی اجتہاد کو اجاگر کرنے کے لئے سرسید نے اپنی تفسیر القرآن وھوالھدی والفرقان شائع کی تھی جسکا حصہ اول شروع کے ۱۷ سپاروں کی تفسیر پر مشتمل تھا جبکہ دوسرا حصہ اشاعت سے محروم رہا۔ سرسید احمد خاں ایک تعقل پسند مسلمان تھے جنکی فکر ابتدائی دور کے معتزلہ کی مطابقت میں تھی جو عقائد میں وحی خداوندی کے بعد عقل انسانی کی منطق اور دلائل کو فیصلہ کن قرار دیتے تھے سرسید کی تفسیر کے بیشتر دلائل معتزلہ عالم الزمخشری کی تفسیر کشاف سے لیے گئے تھے۔

قرآنی تفسیر اور ترجمہ کے معاملہ کی ایک خاص بات جس کی طرف سرسید نے توجہ مبذول کرائی وہ یہ تھی کہ قرآن کریم اپنے بیان کے مطابق حجاز کی جاہلی عربی میں نازل ہوا تھا جسکو سمجھنا حجازیوں کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ لیکن دوسروں کیلئے اس وقت تک مشکل رہا تھا جب تک کوفہ اور بصرہ میں عربی گرامر یا صرف ونحو کے قائدے مرتب نہ ہو گئے تھے۔ جو نزول قرآن کے ایک صدی بعد ان لوگوں نے ترتیب دیے جن کی مادری زبان حجازی عربی نہیں تھی۔ سرسید کے خیال میں تمام احتیاط کے باوجود انسانی غلطی کے احتمال کے مطابق اس کا قوی امکان ہے کہ کچھ حجازی تشبیہات اور محاورے ریکارڈ نہ ہو سکے ہوں لہذا وہ اس کو جائز نہ سمجھتے تھے کہ قرآن کے اخذ مطلب کے لئے ان قوائد کی پابندی کی جائے جس کا عام قائدہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے اپنی تفسیر میں ان تمام قوائد کی پابندی کی تھی۔ سرسید کی فکر کے مطابق تمام مظاہر قدرت (Nature) اللہ کا فعل اور وحی اس کا کلام ہے اور چونکہ دونوں کا منبع ایک ہی ذات ہے اس لئے اس کے قول وفعل میں تضاد ممکن ہی نہیں ہے۔۔۔۔ چنانچہ انکا بنیادی استدلال یہی قوانین قدرت (Laws of Nature) ہیں جن کو قرآن کی دو آیات (43:5 اور 33:62) میں وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴿۶۲﴾ (33:62) اللہ نے اپنی سنت بتا کر اسے ابدی اور غیر مبدل قرار دیا ہے۔ جن کو ایک بنیادی حقیقت مان کر انہوں نے تمام معجزات کی عقلی تشریح کی ہے۔ کیونکہ ان کی روایتی تفسیر سے اللہ کی سنت میں تبدیلی یا تعطل ماننا پڑے گا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے وہ تمام الفاظ جن کے لغوی معنی لینے سے آپ ان کو خلاف قدرت سمجھتے ہیں وہ دراصل

استعارے۔تشبیہات اور محاورے ہیں جن کے استعمال کے باوصف قرآن بلیغ ترین۔اعلیٰ عربی ادب کا شہ پارہ قرار پاتا ہے جس کا مقابلہ کسی عربی شاعر کا کلام نہ کرسکا تھا لہٰذا اس کی تشبیہات۔محاوروں اور استعاروں کے ایسے لغوی معنی لینا مغالطہ کا باعث ہوگا۔جو قوانین قدرت اور روز مرہ تجربات کے خلاف ہوں۔قرآن میں انبیا کے پورے قصے بیان نہیں ہوئے تھے چنانچہ کچھ لوگوں نے بقایا قصے یہود و نصاریٰ کی ان مبدل و محرف کتابوں سے لیکر وہ تمام باتیں شامل کرلیں جن کو قرآن نے دانستہ چھوڑ دیا تھا۔کیونکہ قرآن کے مطابق ان کتابوں میں ان کے متبعین نے تبدیلیاں کرلی تھیں۔

مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر چلے جانے کا معاملہ ہے جو شروع سے ہی ایک بنیادی عیسائی عقیدہ رہا تھا جسے ہم نے بھی شدت سے اپنالیا ہے۔حالانکہ قرآن میں تو کہا گیا ہے۔ اللّٰہُ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَہِّرُکَ (3:55) اے عیسیٰؑ میں تم کو وفات دینے والا ہوں اس کے بعد کا رفعک ان کی جسمانی بلندی کے لئے نہیں بلکہ درجات کی بلندی کے لئے اور اس کے بعد مطہرک ان کو الزامات سے پاک کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔قرآن مجید میں دوسری اور جگہوں پر بھی رفعک اور رفعنا۔درجات کی بلندی کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔۔

سرسیّد کے نزدیک کچھ اسی طرح کا معاملہ قرآن کریم میں سہارے کیلئے عصا کی تشبیہ کے استعمال کا ہے۔حقیقتاً حضرت موسیٰؑ کا سہارا کوئی لکڑی نہیں بلکہ ذات خداوندی تھی۔جب فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مصری علماء کا مناظرہ ہوا تو ان کی جھوٹی دلیلوں کو قرآن کریم نے جادوئی سانپوں سے تشبیہ دے کر حضرت موسیٰؑ کی دلیل کو انکا عصا کہا ہے۔

سرسید کے خیال میں ہمارے پیغمبر محمد ﷺ کا آخری واحد معجزہ قرآن کریم ہے جو آج بھی موجود ہے۔اسی طرح سرسید چونکہ وفات مسیح کے قائل تھے اس لئے رسول ﷺ کے بعد کسی مسیحا اور مہدی کی آمد کے خلاف تھے چونکہ ان کے بعد کسی مسیحا یا مہدی کا آنا ختم نبوت کے عقیدہ کا بطلان کرتا ہے۔ظاہر ہے یہ موقف ان حدیثوں کے خلاف ہے جن میں ان دونوں کے آنے کا ذکر ہے۔اسی طرح سرسید کسی شیخ،محدث پیر یا امام کی تقلید لازم نہ سمجھتے تھے۔ انکے لئے عقائد کی حجت صرف اللہ کی کتاب ہے اسکے علاوہ کوئی اور کتاب یا شخصیت نہیں ہوسکتی چاہے وہ کتنی ہی قدیم اور مقبول کیوں نہ ہو۔

سرسید نے مسلمانوں کو سائنس اور فلسفہ کی طرف راغب کرنے کے لئے سائنٹفک سوسائٹی بھی قائم کی تھی۔وہ ایک نئے علم الکلام کے علمبردار تھے جو کتاب اللہ کی آیات کی موجودہ سائنسی حقائق سے تطبیق ثابت کرسکے اور جس اصول کی تطبیق نہ ہوسکے تو اسے جھوٹا ثابت کرے۔چنانچہ جب زندہ اور مردہ پیروں کی کرامتوں کے قصے زبان زدعوام تھے اس ماحول میں سرسید کے علاوہ اور کس کی یہ جرات ہوسکتی تھی کہ ان توہمات اور عقائد کی تردید اور تکذیب کرے۔جس کی پاداش میں ہندوستان کے طول وعرض میں انکے خلاف تکفیری مہم شروع ہوگئی کسی نے کافر کہا تو کسی نے بے دین اور کرسٹان کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ان کے علاوہ دہریہ اور نیچری کی پھبتیاں تو عام ہوگئی تھیں۔مکہ اور مدینہ

کے علماء سے ان کے کفر کے فتوے لئے گئے جن میں ان کو قتل کرنے کی ترغیب بھی دی گئی لیکن انھوں نے پھر بھی ہتھیار نہیں ڈالے اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

سرسید کا استدلال تھا کہ قرآن کریم میں اللہ نے کائنات کے کئی روزمرہ حقائق کو اپنی سنت کہتے ہوئے اپنی وحدانیت کا ثبوت بتایا ہے کہ تم ان معمولات میں کبھی بھی ردوبدل نہیں پاؤ گے اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ان روزمرہ کے واقعات میں کبھی تبدیلی ضرور آتی اور چونکہ ان میں کوئی تبدیلی نہیں آتی لہٰذا یہ اس کی وحدانیت کا ثبوت ہے ۔۔۔جبکہ معجزات پر ایمان سے لازم ہوگا کہ ہم یہ مان لیں کہ اسوقت اللہ کی سنتیں عارضی طور پر معطل ہوگئی تھیں جو محال اور قرآن کی واضح آیات (43:5،62:33) کے خلاف ہے۔

جبکہ قرآن کریم میں تو محیر العقول معجزات کا مطالبہ کرنے والے کفار کی بابت ارشاد ہوا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں کیونکہ وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائینگے۔ اس بات کو سائنسداں بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ کائنات میں کسی بھی خفیف قانون کا وقتی تعطل یا بے قائدگی کائنات کے توازن کو بگاڑ کر اس کو نیست و نابود کردیگی۔ لہٰذا کوئی بھی سائنسداں ایسے کسی عقیدہ کا حامل نہیں ہوسکتا۔ چونکہ معجزات پر ایمان سے قوانین قدرت کا تعطل اور بے قائدگی ہمارے اعتقاد کا لازمی حصہ بنتی ہے جو سائنسی اصولوں کے خلاف اور روایتی علماء کی بالادستی کے لئے چیلنج ہے اس لئے وہ سائنس کو کفار کا علم کہہ کر مسلمانوں کو اس سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں جس کے سبب ہم سائنسی میدان میں تائیوان۔ سنگاپور اور کوریا جیسے مختصر ترین ایشیائی ملکوں کے مقابلہ میں بھی پسماندہ رہ گئے ہیں جس کے اثرات پوری مسلم امہ کے لئے تباہ کن ثابت ہوئے ہیں۔

آج نوبل کے اجرا کے ایک صدی بعد بھی صرف دو مسلم کیمسٹ ہی نوبل انعام حاصل کرسکے ہیں جن کا تعلق ترکی اور مصر سے تھا۔ سوال یہ ہے کہ اگر مسلمان سرسید کے دلائل سے متفق ہوکر سائنس کی طرف توجہ دیتے تو اس کے نتائج کیا نکلتے؟ اس کے جواب کا تقاضہ ہوگا کہ ہم یہ فیصلہ کریں کہ کیا ہم آج بھی کسی واضح اور مثبت تبدیلی کے لئے تیار ہیں؟

☆.....☆.....☆

فیصل آباد کے احباب کے لئے ضروری اطلاع



اب طلوع اسلام کی تمام بکس اور ''طلوع اسلام'' میگزین

فیصل آباد میں ہماری دو بزموں کے

علاوہ مندرجہ ذیل پتہ پر بھی مل سکتے ہیں۔

فون نمبر:

0322-6386991

حکیم عبدالمجید

ہاؤس نمبر P-1479 سٹریٹ نمبر 1، محلہ فتح آباد، فیصل آباد

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ الحج	(22)	380	350/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورۃ النور	(24)	264	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-
سورہ آل عمران (اول)	(3)	472	500/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ آل عمران (دوم)	(3)	480	500/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ المائدہ	(5)	450	500/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ الانعام	(6)	600	600/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ الاعراف (اوّل)	(7)	480	500/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورۃ الاعراف (دوم)	(7)	400	500/-	سورہ یٰسین	(36)	164	150/-
سورۃ انفال	(8)	210	250/-	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ توبہ	(9)	530	550/-	سورۃ مومن حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورۂ یونس	(10)	360	400/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ ھود	(11)	400	400/-	سورۂ الفتح، الحجرات، ق، الذاریات، الطور، النجم	(48-49-50 51-52-53)	550	500/-
سورۃ یوسف	(12)	288	300/-	سورۂ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55 56-57)	384	400/-
سورہ رعد، ابراہیم، الحجر	(13-15)	500	500/-	28 واں پارہ (مکمل) مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم	(58-59-60-61-62-63-64-65-66)	300	300/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-				
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	400/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	500/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان) فون نمبر: +92 42 3571 4546 +92 321 4460 787

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں کا صفحہ

ہم عید کیوں مناتے ہیں؟

راشد جمعۃ الوداع کی نماز پڑھ کر گھر آیا تو اس نے اپنی امی سے کہا:

''امی جان! آج مولوی صاحب اپنے خطبہ میں بار بار پڑھتے تھے: الوداع! اے ماہ رمضان الوداع! اور ساتھ روتے جاتے تھے۔ وہ روتے کیوں تھے؟''

اس کی امی نے کہا:

''بیٹا! رمضان کا مہینہ بڑا خیر اور برکت کا مہینہ ہوتا ہے۔ اس کے چلے جانے کا غم ہوتا ہے اس لئے لوگ روتے ہیں۔''

راشد نے کہا:

''امی جان! یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جب رمضان شریف کا مہینہ وداع ہونے لگتا ہے تو لوگ روتے ہیں اور جب وہ وداع ہو جاتا ہے تو پھر عید مناتے ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی؟''

راشد کی امی نے مشکل سے اپنی ہنسی روکی اور راشد سے کہا:

''شام کو تمہارے ابا آئیں گے تو یہ بات ان سے پوچھ لینا۔''

رات کے کھانے کے بعد راشد نے اپنے ابا سے وہی سوال کیا تو انہوں نے کہا: ''بیٹا! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ عید کیا ہے اور اسے کیوں منایا جاتا ہے؟ جب تم یہ بات سمجھ لوگے تو تمہارے سوال کا جواب خود بخود سامنے آجائے گا۔ لو اب غور سے سنو!

تمہیں معلوم ہے دنیا کی ہر قوم نے سال میں کچھ دن ایسے مقرر کر رکھے ہیں جنہیں وہ قوم اپنے تیوہار کی حیثیت سے مناتی ہے۔ کرسمس، عیسائیوں کا تیوہار ہے۔ ہولی ہندوؤں کا تہوار ہے۔ مسلمانوں کے لئے ان کے خدا نے ایک دن تجویز کیا اور کہا کہ اس میں وہ خوشیاں منایا کریں۔''

یہ سن کر راشد چونک اٹھا اور پوچھا:

''ابا جان! کیا ہمارے لئے خود خدا نے تیوہار مقرر کیا؟ جس تیوہار کو خدا نے مقرر کیا ہو وہ تو بہت بڑا تیوہار ہوا؟''

''ہاں بیٹا! اس تیوہار کے بڑا ہونے میں شبہ کیا ہو سکتا ہے؟'' راشد کے ابا نے کہا۔

''تو ابا جان! مجھے بتایئے کہ اس تیوہار کی اہمیت کیا ہے؟ راشد نے پوچھا۔

اس کے ابا نے کہا: ''تم ذرا سوچو کہ اگر ایک شخص بچپن سے اندھا ہو گیا ہو۔ ہزار علاج معالجہ کے باوجود اس کی آنکھوں

میں بینائی نہ آئی ہو۔ وہ ہر طرف سے مایوس ہو چکا ہو لیکن ایک دن اسے ایسا سرمہ مل جائے جس سے اس کی بینائی واپس آجائے۔ اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں۔ وہ سب کچھ دیکھنے لگ جائے تو کیا یہ دن اس کی زندگی میں یاد رکھنے کے قابل نہیں ہوگا؟ کیا وہ ہمیشہ اس دن کی یاد نہیں منائے گا؟''

''ضرور منائے گا؟'' راشد نے کہا:

اس کے ابا نے کہا:

''اسلام سے پہلے دنیا میں کہیں خدا کی وحی کی روشنی باقی نہیں رہی تھی۔ ساری دنیا میں تاریکی ہی تاریکی تھی۔ انسان اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرتے تھے۔ انہیں صحیح راستہ کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا کہ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کیا جس سے ساری دنیا میں روشنی پھیل گئی۔ انسانوں کو صحیح راستہ واضح نظر آنے لگ گیا۔ وہ اندھے تھے، انہیں آنکھیں مل گئیں۔ تم ہی بتاؤ راشد بیٹا! یہ دن انسانوں کے لئے یادگار منانے کا تھا یا نہیں؟''

''ضرور تھا۔ ابا جان!'' راشد نے کہا۔

''یہی ہے وہ تیوہار جسے خدا نے تجویز کیا ہے۔'' راشد کے ابا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: ''خدا نے کہا ہے کہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں ہم نے قرآن نازل کیا ہے۔ یعنی اس میں قرآن نازل ہونے کی ابتداء ہوئی ہے اور اس کے بعد خدا نے کہا ہے کہ تمہیں چاہئے کہ تم اس پر خوشیاں مناؤ۔ لہٰذا! یہ تیوہار رمضان شریف کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ یوں سمجھو کہ یہ سارا مہینہ ہی خوشیاں منانے کا ہے۔ یہ جشن مسرت کا مہینہ ہے اور اس جشن کی انتہا عید کہلاتی ہے۔''

''میں اب سمجھا کہ جب عید کے متعلق لکھا ہوتا ہے کہ یہ جشن نزول قرآن ہے تو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟'' راشد نے کہا۔ اس کے بعد اس نے پوچھا: ''ابا جان! جب بات یہ ہے تو پھر مولوی صاحب جمعۃ الوداع کو روتے کیوں تھے؟''

''بیٹا! میرے خیال میں رونے کی کوئی وجہ تو نہیں ہے۔۔۔ اچھا تم جاؤ اور اسکول کا کام کر کے سو جاؤ۔''

راشد اپنے ابا کو سلام کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ عید کی چھٹیوں کے بعد جب اسکول جائے گا تو وہاں لڑکوں کو بتائے گا کہ عید کیوں منائی جاتی ہے؟

ملتان کے احباب کے لیے ضروری اطلاع



اب طلوع اسلام کی تمام بکس اور ''طلوع اسلام'' میگزین مندرجہ ذیل پتہ پر مل سکتا ہے



ملک محمد صفدر ایڈووکیٹ نمبر 54 محمڈن بلاک ضلع کچہری۔ ملتان فون نمبر: 0334-6093266

محمد علی صابر صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نشست نمبر 3

نوجوانوں کا صفحہ

نخلِ سینا

آج چھٹی کا دن ہے۔ گھر میں سارے افراد آرام سے سو رہے ہیں۔ لیکن کلیم الزمان شب خوابی کے لباس ہی میں ڈرائنگ روم میں بیٹھے سامنے دیوار پر لگے ہوئے کتبے کو بار بار دیکھتے ہیں۔ کبھی ان کے چہرے پر مایوسی کے اثرات پیدا ہوتے ہیں اور کبھی بشاشت سے انکا چہرہ چمک اٹھتا ہے۔ کتبہ کیا ہے قرآن مجید کی ایک آیت "ان الحسنات یذہبن السیآت" اسی قسم کا کتبہ ان کے بیڈ روم میں بھی ہے اور ڈرائنگ روم میں بھی۔ ان کے چہرے پر مایوسی اس لئے چھا جاتی ہے کہ انہیں گذشتہ زندگی کی غلط کاریوں کی یاد سانپ کی طرح ڈستی رہتی ہے اور خوشی کی لہر اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انہیں اللہ کا وعدہ یاد آتا ہے کہ ''اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ (11:114)'' اور انہیں یہ بھی یاد آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ (39:53) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا۔

کلیم الزمان (سربراہ) صاحب کا گھرانہ تین پشتوں سے وکالت اور عدالت کے پیشے سے منسلک تھا۔ ان کے دادا مولوی فخر الزمان نے اس وقت وکالت شروع کی تھی جب ہندوستان میں باقاعدہ انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی اور مولوی نذیر احمد نے انڈین پینل کوڈ کا ترجمہ کر کے تعزیرات ہند کی صورت میں ہندوستان کے باشندوں کو ایک نئی طرز حکومت سے آگاہ کیا اور اس نئی طرز حکومت نے ہندوستان کے لوگوں کا طرز زندگی بدلنا شروع کر دیا۔ اسلامی تہذیب کے وسطی دور میں رشوت قصیدہ کی صورت میں پیش کی جاتی تھی۔ اس کے بعد اس نے نذرانے کی صورت اختیار کر لی اور انگریزی دور میں اس کا نام ڈالی ہو گیا۔ ڈالی کیا تھی ایک ٹوکری ہوتی تھی جس میں بظاہر کچھ پھل وغیرہ ہوتے لیکن ان کے نیچے رشوت کی رقم ہوتی تھی۔ دوسرے محکموں کے ساتھ ساتھ رشوت کا یہ طریق تشکیل پاکستان سے پہلے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بڑے بڑے سیٹھ سونے کی رکابی میں تھوڑا سا ڈرائی فروٹ صاحب بہادر کے گھر بھیج دیا کرتے تھے۔ رشوت کے ان طریقوں سے بار اینڈ بینچ دونوں مستثنیٰ نہیں رہے۔

میں علامہ اقبالؒ یا قائداعظمؒ اور سر تیج بہادر سپرو قسم کے بزرگوں کی بات نہیں کر رہا۔ میں ان وکیلوں کی بات کر رہا ہوں جن کے ریوڑ کے ریوڑ عدالتوں کے باہر بیٹھے اپنے شکار کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں اور کلیم الزمان صاحب بھی انہیں میں سے

ایک تھے۔ میں صیغہ ماضی استعمال کر رہا ہوں جس کی وضاحت آئندہ صفحات میں ہوگی۔ پشاور میں ہمارے ایک کرم فرما وکیل نے اپنے چیمبر میں ایک چارٹ لکھ کر لٹکایا ہوا تھا جس کا سرنامہ یہ شعر تھا۔

پیدا ہوئے وکیل تو شیطان نے کہا لو آج ہم بھی صاحب اولاد ہو گئے

چارٹ کے مشمولات کچھ اس طرح ہیں۔

''میں چند ٹکے لے کر جھوٹ بولتا ہوں۔ میں قاتل کو بری کراتا ہوں۔ میں عدالت کو بیچتا ہوں۔ میں زانی کو سزا ملنے سے بچاتا ہوں۔ میں ڈاکوؤں کا بالفاظ دیگر ساتھی ہوں۔ میں اکثر بددیانتی کرتا ہوں۔ میں چور کو چھڑاتا ہوں۔ میں انصاف کو فروخت کرتا ہوں۔ میں شراب پینے والوں کی خلاصی کروا کر ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہوں۔ میں موکلہ کو بُری نیت سے تاڑتا ہوں۔ میں مجرم کو چھوٹ جانے پر اسے مبارک باد دیتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ فیس ملنے والی ہے جب کوئی بغل کھجاتا ہے۔ میں کام نکلوانے سے پہلے افسر جلیس کی خوشامد کرتا ہوں۔ ان اوصاف کے ہوتے ہوئے معاشرے سے معزز کہلوانے کا آرزومند ہوں کیوں کہ اس قلندر صفت راست گو وکیل یا ایڈووکیٹ نے اپنی آخری صفت میں مصلحتاً جلیس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ورنہ برصغیر میں یہ روایت رہی ہے کہ وکیل صاحبان ججوں کو رشوت دے کر اپنے مؤکل کے حق میں فیصلہ کروا لیتے ہیں اور اس طرح جب وہ مقدمات پر مقدمات جیتتے چلے جاتے ہیں تو اپنی شہرت کی بناء پر ایک نہ ایک دن خود عدالت کی کرسی ان کا استقبال کرتی ہے، اور ایک ہی جست میں چور سے قطب ہو جاتے ہیں۔

کلیم الزمان (سربراہ) کی زندگی بھی دوسرے وکلاء سے مختلف نہ تھی۔ تقسیم ملک کے بعد ان کا گھرانہ دلی سے لاہور منتقل ہو گیا۔ کچھ مدت تک وکالت کی گرم بازاری رہی اور جلدی ہی انہیں کرسی عدالت بھی مل گئی۔ پیٹ بھر کر نذرانے اور ڈالیاں وصول کیں۔ کبھی رشوت لینے سے انکار کے سبب اور کبھی لے لینے کی وجہ سے ضمیر کے کچوکے پریشان کرتے تو وہ یہ سوچ کر دل کو مطمئن کر لیتے کہ فرانسس بیکن جیسا فلسفی جج رشوت لیتے ہوئے نہیں شرماتا تو میں تو ایک معمولی جج ہوں اور اگر ضمیر زیادہ ہی جھنجھوڑتا تو دل سے کہتے کہ۔

تمہارے وعظ میں تاثیر تو ہے حضرتِ واعظ اثر لیکن نگاہ ناز کا بھی کم نہیں ہوتا

جب ایوب نہرو پیکٹ کے نتیجہ میں ری ہیبلیٹیشن اور کسٹوڈین کے محکمے قائم ہوئے تو کلیم الزمان کے وارے نیارے ہو گئے۔ کوٹھیاں الاٹ ہو گئیں اور کئی فیکٹریوں کے مالک ہو گئے اور خدا نے چھپر پھاڑ کر دینا چاہا تو کچھ ہی دنوں میں ارب پتی ہو گئے۔ تقسیم ہند سے پہلے بھی مسلمان قوم کرپشن کے معاملہ میں کریلے کی طرح کڑوی تھی۔ ایوب نہرو پیکٹ نے اس کریلے کو نیم پر چڑھا دیا۔ جس کی کڑواہٹ کا مزا پاکستان کے ہر محکمہ میں چکھا جا سکتا ہے۔ آخر کار جب ریٹائر ہوئے تو زندگی میں بیکاری کی وجہ سے یبوست سی محسوس ہونے لگی کرنے کو کچھ نہیں تھا، بس کچھ دیر کے لئے محلہ کی مسجد میں جا بیٹھتے۔ اب جو لاء (Law) پڑھا ہوا تھا وہ کسی کام نہیں آ رہا تھا۔ مسجد میں کسی نوجوان کے منہ سے ایک ایسی بات نکل گئی جو کلیم الزمان کے دل کو بھلی لگی۔ وہ

نوجوان اپنے کسی دوست کو کہہ رہا تھا کہ بی اے، ایل ایل بی کا مطلب ہے۔ بیچولر آف لا اینڈ لٹریچر ہونا چاہیے۔ کلیم الزمان صاحب نے کبھی لٹریچر کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اسی لئے کردار سازی نہ ہوسکی۔ ہمارے ہاں جب کبھی لٹریچر کا خیال آتا ہے تو ذہن میں غالب، اقبال یا فیض کے نام ابھرتے ہیں۔ دلی اور لکھنؤ کے لوگوں کو غالب بہت پسند ہے۔ کلیم الزمان صاحب کی حرص وہوس برقرار تھی اور وہ قانون سے متعلق اپنی معلومات اور اپنے علم کی وجہ سے وکالت کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ریٹائرمنٹ کے بعد دو سال تک وہ قانوناً ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اسلئے انہوں نے ارادہ کیا کہ یہ دو سال وہ لٹیریچر پڑھنے میں صرف کریں گے۔ چنانچہ دیوان غالب جو اٹھایا تو کچھ شعر تو نہایت معمولی قسم کے تھے اور کچھ ایسے تھے جن کا سمجھنا ان کے لئے مشکل تھا۔ کوشش کرنے پر بھی حالت یہ تھی کہ ؎

آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

فیض کو پڑھنے میں کلیم الزمان صاحب کو بڑا مزا آیا، اور جب اقبال کو سمجھنا چاہا تو بعض اشعار خاص کر غزلیات تو بہت اچھے تھے مگر زیادہ تر کلیم الزماں صاحب کی ذہنی رسائی سے باہر تھے۔ کسی دوست نے انہیں مشورہ دیا کہ اقبال کو اگر سمجھنا ہے تو اس کے شارح غلام احمد پرویز کو پڑھو۔ کلیم الزماں نے پرویز کا نام تو سن رکھا تھا اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اسے منکر حدیث سمجھا جاتا ہے اور اس پر کفر کا فتویٰ لگ چکا ہے۔ ان کے دوست نے انہیں کہا کہ کفر کا فتویٰ تو اقبال پر بھی لگا تھا اور اس سے پہلے سرسید احمد خان پر بھی لیکن تاریخ جانتی ہے کہ سرسید احمد خان کے تصورات نے علی گڑھ یونیورسٹی دے کر کہا تھا۔

نہ دارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم فلاطوں طفلکے باشد بہ یونانے کہ من دارم

اقبال کے فلسفہ نے ہمیں پاکستان دیا۔ اسلئے میں تو یہ کہونگا کہ آپ اقبال کا مطالعہ کریں۔ اقبال تو ان فتویٰ فروشوں کو دہریہ کہتا ہے اور اگر ان کے خیالات اور مذہبی تصورات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اقبال درست کہتا ہے کہ ؎

حقیقت را بہ رندے فاش کردند کہ ملا کم شناسد رمز دیں را

اقبال کے دو تین معمولی شعروں کی تشریح کرنی پڑے تو اس پر پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے اور وہ شعر ہیں۔

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

فریب نظر ہے سکون و ثبات تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

کلیم الزمان کا دوست تو ان سے اجازت لے کر رخصت ہو گیا اور وعدہ کر گیا کہ وہ اپنی مصروفیات سے فارغ ہو کر ضرور خدمت اقدس میں حاضر ہوگا لیکن کلیم الزمان کو ذہنی مخمصے میں چھوڑ گیا۔ انہوں نے کلیات اقبال منگوائی اور اس کی ورق گردانی میں پورا دن لگا دیا۔ بہت سی باتیں سیاسی نوعیت کی تھیں جن سے کلیم الزماں صاحب پہلے ہی واقف تھے۔ کچھ ایسی بھی کہ جن کا تعلق مسلمانوں کی خستہ حالی کا مرثیہ کہنا چاہیے، لیکن بہت سی باتیں ایسی تھیں جو کلیم الزماں کی ذہنی رسائی سے دور تھیں اور

جنہیں سمجھنے کے لئے انہیں راہنمائی کی ضرورت تھی۔ اقبالیات کے موضوع پر کتاب فروشوں کی دکانیں بھری پڑی تھیں جن کے لکھنے والے معتبر قسم کے لوگ تھے لیکن علامہ اقبال کو قرآنی فلسفہ کے حوالے سے سمجھنے کے لئے انہیں بتایا گیا تھا کہ صرف ایک شخص ہے جس کا نام غلام احمد پرویز ہے لیکن یہاں ایک مشکل یہ درپیش ہے کہ "نشان راہ" کے مصنف نے کہا ہے علامہ پرویز کی نگارشات کم پڑھے لکھے اصحاب کے سر کے اوپر سے گزر جاتی ہیں۔ انہیں سمجھنے کے لئے وسعت قلب اور دقت نظر کی ضرورت ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ عام فہم کا طالب علم جو علامہ موصوف کی نگارشات سے مستفیض ہونے کا ارادہ رکھتا ہو اسے سب سے پہلے ان کی کتاب معراج انسانیت کا مطالعہ کرنا چاہیے اور ذہنی ہاضمہ کے لئے ان کی تصنیف ''سلیم کے نام خطوط'' بھی مفید اضافہ ہوگا۔

کلیم الزمان صاحب کے ہاں پیسوں کی کمی نہیں تھی کہ سوچیں کہ کونسی کتاب خریدی جائے کونسی کا حصول مؤخر کر دیا جائے۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اقبال اور پرویز کا بہت سا لٹریچر خرید کر اپنے مطالعہ کی الماریوں میں سجا دیا اور دن رات قرآن مجید، اقبال اور علامہ پرویز کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے، لیکن دل میں ایک کانٹا تھا جو ہر وقت انہیں تنگ کر رہا تھا اور اسے نکالنے کے لئے کلیم الزمان کو ایک آیت قرآن ہاتھ لگ گئی اور وہ تھی ''اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ (11:114)''

راستے کی خطرناک گھاٹیاں

راستے کی خطرناک گھاٹیوں سے آگاہ کرتے ہوئے مفکرِ قرآن نے کہا: لیکن عزیزانِ من! اس سفر میں ایک گھاٹی ایسی بھی آتی ہے۔ جہاں کوئی باہر کا رہزن، ڈاکہ زنی نہیں کرتا۔ خود اپنے اندر کا چور کمین میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ یہ گھاٹی ایسی ہے جہاں سے پاؤں پھسلے تو انسان سیدھا جہنم کے عمیق غاروں میں جا گرتا ہے اور وہ گھاٹی یہ ہے کہ آپ اس سلسلہ میں جو کچھ کریں اس میں کسی دنیاوی اجر و معاوضہ کا خیال تو ایک طرف، نمود و نمائش کا شائبہ تک بھی نہ آنے پائے، کہ یہ وہ شرک کی چنگاری ہے جو سب متاعِ عمل کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے۔ قرآنِ کریم نے اس عظیم حقیقت کو بڑے بصیرت افروز انداز سے بیان کیا ہے جب کہا ہے کہ: اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۫ (17:7) تم کوئی اچھا کام کرتے ہو تو وہ کسی دوسرے کے لئے نہیں، بلکہ خود تمہاری بھلائی کے لئے ہوتا ہے۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ (2:272)۔ جو کچھ تم بظاہر دوسروں کو دیتے ہو وہ درحقیقت خود اپنے آپ کو دیتے ہو۔ اب آپ سوچئے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم ایک مکان اپنے لئے بناؤ اور اس کا احسان اہل مکہ کے سر دھرو۔ تم کھانا خود کھاؤ اور اس کے شکریہ کے متمنی اپنے دوست سے ہو۔ یہی کیفیت اس ___ کام کی ہے جسے آپ قرآنی تحریک کے لئے کرتے ہیں۔ خواہ وہ مالی خدمت ہو یا صرف محنت، یا ایثارِ وقت۔ اگر آپ یہ سمجھ لیں کہ یہ سب کچھ آپ اپنے لیے کرتے ہیں تو پھر آپ کے دل میں کسی اجر و معاوضہ کی تمنا یا صلہ و ستائش کی آرزو پیدا نہیں ہوگی۔ لیکن اگر اس سے آپ کے دل میں اس قسم کا کوئی جذبہ بیدار ہوتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ ابلیس کا افسوں ہے جس سے وہ آپ کے اعمال کو رائیگاں بنا رہا ہے۔ انسان تو ایک طرف، قرآنی ذہنیت تو اپنے خدا سے بھی یہ کہتی ہے کہ ؎

شانِ عطا کو تیری عطا کی خبر نہ ہو یوں بھیک دے کہ دستِ گدا کو خبر نہ ہو!

(پرویز، سالانہ کنونشن، 9 تا 12 نومبر 1967ء)

جمیلہ خاتون پالوی، بھارت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خواتین کا صفحہ

عورت اور قرآن

قرآن کریم پوری نوعِ انسانی کے لئے ضابطۂ ہدایت ہے اور چونکہ نوعِ انسانی میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں اس لئے اس کی راہنمائی ان دونوں کے لئے ہے۔ اس راہنمائی میں بیشتر امور تو ایسے ہیں جو مرد اور عورت دونوں سے یکساں طور پر متعلق ہیں لیکن بعض امور ایسے بھی ہیں جو صرف مردوں سے متعلق ہیں اور بعض ایسے جن کا تعلق صرف عورتوں سے ہے۔ یہ امور جو خصوصیت سے عورتوں سے متعلق ہیں قرآن کی مختلف آیات میں بکھرے پڑے ہیں۔ محترمہ جمیلہ خاتون نے (جنہیں طلوعِ اسلام سے دیرینہ اور گہری دلچسپی تھی) عورتوں سے متعلق قرآنی تعلیم کو ایک کتابی شکل میں یکجا اور مربوط کر دیا اور اپنی اس کتاب کا نام رکھا ''عورت کا قرآن''۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ جب ایک عورت قرآنِ کریم کا مطالعہ کرتی ہے تو وہ اس میں اپنے متعلق کیا کچھ لکھا پاتی ہے۔ چونکہ طلوعِ اسلام کے حلقہ میں خواتین کی تعداد کچھ کم نہیں اور قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں ان کی دلچسپی بھی بڑی گہری ہے، اس لئے ان کا ایک عرصہ سے تقاضا تھا کہ طلوعِ اسلام میں ایک مستقل عنوان ''عورتوں'' سے بھی متعلق ہونا چاہئے۔ خواتین کا دیرینہ تقاضا پورا کیا جاسکے۔ اس کے لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ قرآن کریم نے جو کچھ عورتوں کے متعلق کہا ہے اسے ایک عورت ہی کی زبان سے پیش کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ہم نے محترمہ جمیلہ خاتون کی مذکورہ صدر کتاب کا انتخاب کیا ہے۔ مندرجہ عنوان (عورت اور قرآن) کے ماتحت یہ قندِ مکرر کے طور پر مسلسل شائع کیا جائے گا۔ (ادارہ)

پیش لفظ

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر زہرزہ نیست ہم قصہ عجیب و حدیثے غریب ہست

اللہ جانے اس کرۂ ارض پر ''اشرف المخلوقات'' کی آبادی کی ابتداء کب سے ہوئی؟ جب سے بھی ہوئی ہو، جب ہی سے ''عورت'' پر قہر ٹوٹنا شروع ہوا۔ صدیوں پر صدیاں گزرتی رہیں مگر ''عورت'' بدستور پامال و خستہ حال رہی، ہمیشہ محزون و ملول رہی۔ پیغمبر پر پیغمبر آتے رہے، ہر اُمت میں آتے رہے ہر مقام پر آتے رہے:

1۔ وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلًا (16:36)

اور ہم ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر ضرور بھیجتے رہے ہیں۔

2۔ ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا ؕ کُلَّمَا جَآءَ اُمَّۃً رَّسُوۡلُھَا کَذَّبُوۡہُ فَاَتۡبَعۡنَا بَعۡضَھُمۡ

بَعْضًا (23:44)

پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجا۔۔۔سو ہم نے ایک کے بعد ایک کا نمبر لگا دیا۔

3۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ (35:24)

اور کوئی بھی اُمت ایسی نہیں ہوئی ہے جس میں کوئی نہ کوئی (بدعملی کے نتائج سے) ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔

4۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ط (14:4)

اور ہم نے تمام پیغمبروں کو ان ہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کے بھیجا تا کہ وہ ٹھکانے سے اُن سے گفتگو کر سکیں۔

اور ہر پیغمبر ایک خاص شریعت اور احکام لے لے کر آتے رہے:

1۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط (5:48)

تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے خاص شریعت اور خاص منہاج تجویز کی تھی۔

2۔ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ (13:38)

ہر زمانے کے مطابق خاص خاص احکام ہوتے ہیں۔

مگر نہ تو حضرت نوحؑ کی صدیوں کی تبلیغ نے ''عورت'' کو کوئی زندگی بخشی اور نہ حضرت ہودؑ و صالحؑ کی جاں کاہیوں نے اسے راحت پہنچائی۔ نہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت نے ''عورت'' کو قابلِ اعتبار سمجھا اور نہ حضرت اسمٰعیلؑ کی سیادت نے اسے سکون عطا کیا۔ نہ حضرت موسیٰؑ کی جلالت ''عورت'' کو مصیبت سے چھڑا سکی اور نہ حضرت سلیمانؑ کی سطوت نے اس کی نزاکت پر ترس کھایا۔ نہ حضرت زکریاؑ کی موعظت ''عورت'' کو پناہ دلا سکی اور نہ حضرت عیسیٰؑ کی حذاقت نے اس کے درد کی دوا کی [1]۔ نہ کرشن جی کا نغمہ ''عورت'' کا غم بھلا سکا نہ کنفیوشس کی عظمت اس کے آڑے آئی۔ ''عورت'' جانکنی کے جس عالم میں چلی آتی تھی بدستور وہی اس پر ستم کے پہاڑ جس طرح ٹوٹتے تھے ویسے ہی ہمیشہ ٹوٹتے رہے۔ ''کتاب'' پر ''کتاب'' اترتی رہی۔ ہر زبان میں اُترتی رہی۔ ہر پیغمبر کے ساتھ اُترتی رہی:

1۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (2:213)

پھر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھیجا جو ایمان و عمل کے اجر کی خوشخبری سناتے اور کفر و بدعملی کی سزا سے ڈراتے تھے اور ان نبیوں کے ساتھ کتابیں بھی سچائی کے ساتھ نازل کیں۔

2۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ (57:25)

بلاشبہ ہم نے اپنے رسولوں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتابیں نازل کیں اور

[1] یعنی ان انبیائے کرامؑ کی طرف منسوب کردہ کتابیں جو اس وقت ہمارے پاس ہیں ان میں عورت کے دکھوں کا کوئی مداوا نہیں ملتا۔ ان کی اصلی تعلیم میں تو یہ مداوا ضرور موجود ہوگا۔ (طلوع اسلام)

انصاف کی ترازو بھی تاکہ وہ لوگ اعتدال پر قائم ہوں۔

مگر یہودیت کے صحائف ''توراۃ'' ہوں یا عیسائیت کی ''انجیل'' زرتشت کی ''اوستا'' اور ''وساتیر'' ہوں یا ہندومت کی ''گیتا''، ''رامائن''، ''وید''، ''شاستر'' اور ''پران'' بدھ مت کی ''ستہ''، ''وینایا'' اور ''ابھے دھما'' ہوں یا جین مت کی ''پرو'' اور ''انگ''۔ چینیوں کے کنفیوشس ازم کی ''شوکنگ''، ''شیہ کنگ''، ''ای''، ''لیکی''، ''کھونکھیو'' اور ''ہسیاس کنگ'' ہوں یا جاپانیوں کے ''شنٹوازم'' کی ''کوجی کی'' اور ''نیہوگی'' عورت کے لئے کوئی کتاب بھی سینہ سپر نہ ہوسکی۔ اس کو کسی صحیفے نے بھی سہارا نہ دیا۔ تآنکہ مکہ کی مقدس سرزمین پر، قبیلہ بنوزہرہ کی ایک دردمند عورت کے منور آغوش کو، ایک پیکرِ نور نے زینت بخشی، جسے دنیا کا سب سے بڑا انسان اخلاق کا سب سے اعلیٰ نمونہ، مظلوموں کا سب سے بڑا فریادرس، بے کسوں کا سب سے بڑا سہارا، غلاموں کا سب سے بڑا حامی اور یتیموں کا سب سے بڑا والی ﷺ کہا جاسکتا اور کہا جاتا ہے اور جس پر ''دین اسلام'' کے دستورالعمل ''قرآن مجید'' نے نزول اجلال فرمایا۔ ''عورت'' کے درد کا سب سے پہلا اور آخری نسخہ ہے:

1۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (9:128)

تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری ہی جنس سے ہیں۔ جن پر تمہارے نقصان کی بات بے حد گراں گزرتی ہے جو تمہارے فائدہ کے بڑے ہی خواہشمند رہتے ہیں اور مومنوں کے لیے تو بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ (10:57)

تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو سرزسر نصیحت ہے اور اندرونی امراض کے لیے شفاء ہے۔

بجز ''دین اسلام'' کی کتاب ''قرآن مجید'' کے سارے مذاہب عالم میں، کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جس میں ''عورت'' کی کمزوری، بے بسی، بدحالی اور کس مپرسی کا کچھ بھی پاس اور لحاظ کر کے اس کے کچھ حقوق متعین کئے ہوں یا کم از کم اُسے ''انسان'' ہی سمجھنے کی کوشش کی گئی ہو۔ ''قرآن مجید'' تنہا کتاب الٰہی ہے جس میں ''عورت'' کو بھی برابر کا ''انسان'' سمجھا اور تسلیم کیا گیا ہے اور اس کے حقوق بھی مقرر کئے گئے ہیں۔ مگر کتاب ضخیم ہے اور اس میں کسی نسوانی مسئلہ کے تلاش کرنے یا اُس کے احاطہ کے لیے محنت درکار ہے۔ اس پر مزید یہ کہ ''مسلمان عورت'' تعلیم سے بے بہرہ ہے اور کتاب ''عربی'' زبان میں ہے۔ لہٰذا ''مسلمان عورت'' قرآنی تعلیمات سے بے خبر اور احکامِ الٰہی کو، قرار واقعی جاننے سے قاصر و معذور ہے۔ (جاری ہے)

(مطبوعہ، ماہنامہ طلوع اسلام، فروری 1955ء)

ڈاکٹر محمد راحیل اکبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بطور انسان سب برابر

کوئی بھی انسان محض انسان ہونے کی وجہ سے قابلِ عزت واحترام ہے۔اس میں کسی کی امیری،غریبی یا عہدہ، پوزیشن سے فرق نہیں پڑنا چاہئے۔ایک جنرل اور سپاہی، ایک ڈاکٹر اور ڈسپنسر یا ایک باس (Boss) اور Peon، سب انسان ہونے کے ناطے برابر ہیں اور سب برابر کی عزت کے مستحق ہیں۔

یہ تمام انسان بنیادی ضروریات حاصل کرنے میں برابر کے حقدار ہیں۔بنیادی ضروریات سے مراد روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم، علاج وغیرہ ہیں۔Welfare State سے مراد یہی ہے کہ تمام انسان محض انسان ہونے کی وجہ سے بنیادی ضروریات میں برابر کے حقدار ہیں۔سربراہِ مملکت اور ایک عام شہری کے لئے، روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم، علاج کی سہولیات یکساں ہوں گی۔اگر سربراہِ مملکت کا گزارا مزدور کی روزانہ آمدنی کے برابر آمدنی، میں نہیں ہوتا تو سربراہِ مملکت مزدور کی آمدنی بڑھانے کی کوشش کرے گا تاکہ اُس کی تنخواہ بطور سربراہ مملکت زیادہ ہو سکے۔

اپنی آمدنی، دوسرے انسانوں کو دینے کے لئے،
جذبہ محرکہ (Motivating Factor)،
انسانی ذات کی تکمیل ہے:

اپنی آمدنی، دوسرے انسانوں کی بہبود کے لئے دینے کے جذبہ محرکہ (Motivation Factor) انسانی ذات کی تکمیل ہے۔تاکہ ہم آخرت میں اپنے اچھے اعمال کے بدلہ میں جنت حاصل (یا Achieve) کر سکیں۔وہ لوگ جن کی بنیادی ضروریات اُن کی اپنی محنت کے بعد بھی پوری نہیں ہوتیں یا وہ لوگ جو کسی جسمانی یا ذہنی معذوری کی وجہ سے کما نہیں سکتے یا وہ بیوائیں اور یتیم جن کا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں ہے ایک قرآنی معاشرہ میں اُن کی بنیادی ضروریات مہیا کرنے کے لئے سربراہِ مملکت سے لے کر مزدور تک تمام شہری زیادہ سے زیادہ دینے کی کوشش کریں گے۔ہر انسان انتہائی محنت کر کے کمائی کرے گا لیکن اپنی کمائی صرف اپنے لئے نہیں رکھے گا بلکہ اپنی آمدنی کا زیادہ سے زیادہ حصہ دوسروں کی بہبود کے لئے دینے کی کوشش کرے گا لیکن اپنی کمائی صرف اپنے لیے نہیں رکھے گا بلکہ اپنی آمدنی کا زیادہ سے زیادہ حصہ دوسروں کی بہبود کے لئے دینے کی کوشش کرے گا اور ایسا ایک دو دن نہیں ساری زندگی کرے گا۔ساری زندگی ایسا کرنے کے لئے جذبۂ محرکہ اُس کے سامنے یہ ہوگا کہ انسانی ذات کی تکمیل صرف اُس چیز سے ہوتی ہے، جو وہ دیتا ہے۔جو کچھ وہ صرف اپنے لیے رکھ لے

گا، اُس سے انسانی ذات کی تکمیل نہیں ہوتی اور انسانی ذات کو Develop کئے بغیر، آپ آخرت کی ابدی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی سرفرازیوں، خوشگواریوں، خوشحالیوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔ بطور مسلمان ہمارا یہ ایمان اور Conviction ہے۔ کوئی معاشی نظام کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ آخرت پر ایمان نہ ہو۔

ایسا شخص جو اپنی بہتر جسمانی یا ذہنی صلاحیت سے آج زیادہ کمارہا ہے، ہر طرح سے خوش، خوشحال اور مطمئن ہے وہ بھی آج اپنی ضروریات کے لئے رکھ کر، باقی سب کا سب دوسروں کی بہبود کے لیے دے دے گا۔ وہ امیر شخص ایسا اس لیے کرے گا کیونکہ اگر کل کو کسی قدرتی آفت (زلزلہ، سیلاب وغیرہ) کی وجہ سے اُس کا ذریعہ آمدنی ختم ہوجائے، بچت یا پیسہ نہ ہو، کوئی دوست مدد کے لیے تیار نہ ہو، معاشرتی پوزیشن یا سفارش بھی اُس کا اور اُس کے بچوں کی روٹی کا بندوبست نہ کر سکے تو، ایسا معاشرہ پہلے سے موجود ہو، جو اس کا اور اس کے بچوں کی روٹی (کم ازکم بنیادی ضروریات کا بندوبست کرنا) Ensure کرے۔ ایسا نہ ہو کہ اُس کی مصیبت صرف اُس کی مصیبت ہو۔ وہ اور اس کے بچے زمانہ کے لوگوں کے لیے تماشا بن جائیں۔

انسان کی ضروریات کی تین مراحل میں تقسیم

1۔ بنیادی ضروریات (Basic Necesities of Life):

مسلمانوں کو ایک ایسا نظام قائم کرنے کے لیے کہا گیا جس کے زیر اہتمام تمام انسانوں کی کم ازکم بنیادی ضروریات یکساں طور پر پوری ہوجائیں۔ سب شہریوں کو ایک جیسا روٹی، کپڑا، مکان، علاج، بروقت، ہر وقت میسر ہو۔ ایسی اونچ نیچ نہ ہو کہ ایک شخص کے کتوں کو وہ گوشت دودھ میسر ہو جو ایک انسان کے بچہ کے نصیب میں بھی نہیں ہے۔ کوئی بھوکا ننگا نہ رہے۔ کوئی انسان علاج کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے بے یار و مددگار مر نہ جائے۔

2۔ آرام و آسائش (Comfort):

سب کی بنیادی ضروریات ((Basic Necessities of life پوری کرنے کے بعد، اگلا مرحلہ یا Next Stage آسائش یا Comfort کی ہے جہاں ہر شخص AC، Heater، TV گھڑی وغیرہ ایک جیسی Demand یا Strive for کرسکتا ہے۔

3۔ آرائش و سجاوٹ (Luxuries):

بنیادی ضروریات اور آسائش سے اگلی Stage آرائش (Luxury) کی ہے۔ AC پاکستان کا بنا ہوا بھی ٹھنڈک دے گا لیکن اگر کوئی امریکی کمپنی کے مہنگے ترین AC کا تقاضا کرے۔ اگر 14 انچ کے TV سے گزارا ہوسکتا ہے لیکن کوئی Jumbo Size TV کا تقاضا کرے یا سستی Disposible گھڑی سے بھی گزارا ہوسکتا ہے لیکن کوئی لاکھوں کی Rolex گھڑی Demand کرے تو یہ Luxury میں شمار ہوگا۔ تقاضا کرنے میں حرج نہیں۔ اگر آپ کے ملک کے لوگ اتنی زیادہ زکوٰۃ اکٹھی کر لیتے ہیں کہ سب کے سب لوگ ایک جیسی Luxuries حاصل کر سکتے ہیں۔ تو حکومتِ وقت وہ

مہیا کرے گی۔ اسلامی نظام کی علمبردار حکومت، ایسا اپنے گھر، اپنا محلّہ، اپنا شہر یا اپنے ملک، یا صرف اسلامی ممالک کے لئے ہی نہیں کرے گی بلکہ ساری دنیا کی نوع انسانی کو بنیادی ضروریات آسائش اور آرائش کی چیزیں یکساں طور پر مہیا کرنے کی کوشش کرے گی۔

اللہ تعالیٰ صرف مسلمانوں کا رب (نشوونما دینے والا) نہیں بلکہ وہ رب العالمین ہے اور محمد ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے بھی پہلے، زمین کو انسان کے رہنے کے قابل بنایا اور مٹی، پانی، سورج، ہوائیں، بادل، پھل پھول، سبزیاں، سمندری مخلوق، جانور، پرندے، سمندر، پہاڑ وغیرہ کی شکل میں انسانوں کی نشوونما کی چیزیں رکھ دی تھیں۔ یہ تمام ذرائع رزق تمام انسانوں کے لیے برابر میسر ہونے چاہئیں۔ انسان کو اپنا نظامِ حکومت ایسا بنانے کے لیے کہا گیا جو ان ذرائع رزق کی تقسیم ایسی کریں کہ کوئی انسان رزق سے محروم نہ ہو۔

ذرائع رزق اور رزق کی تقسیم:

طبقاتی نظام یا سرمایہ دارانہ نظام بنانے میں جس میں ایک کے پاس بنیادی ضروریات مثلاً روٹی کھانے کے لیے نہیں اور دوسرا پانی بھی امریکہ سے Import کر کے پیتا ہے تو یہ صحیح نظام نہیں۔ جس نظام میں ایک بچہ امریکہ میں پڑھتا ہے اور دوسرا بچہ تعلیم کی فیس بھی ادا نہیں کرسکتا تو یہ صحیح نظام نہیں۔ ایسے طبقاتی نظام میں امیر یا غریب دونوں قسم کے لوگوں کو سکون نہ ہوگا۔ جرائم بڑھیں گے۔ محروم اپنے حق کے لیے چوری، ڈاکے اور قتل کرنے پر مجبور ہوگا۔

انسان پر انسان کی برتری کی دو وجوہات:

کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر کوئی برتری حاصل نہیں لیکن قرآنِ کریم نے صرف 2 وجوہات کی بناء پر ایک انسان کی دوسرے انسان پر برتری بلندی درجہ بتایا ہے۔ ایک وہ شخص جو اچھے اعمال کرنے میں دوسرے سے زیادہ ہے یا وہ شخص جو علم میں دوسرے سے زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات میں تضاد کے ذریعے اپنی بات کو واضح کیا ہے مثلاً وہ سوال کرتا ہے کہ:

1۔ کیا اندھیرا اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟
2۔ کیا عقل والا اور بے عقل برابر ہو سکتے ہیں؟
3۔ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں؟
4۔ کیا جاننے والا اور نہ جاننے والا برابر ہو سکتے ہیں؟
5۔ کیا جاہل اور عالم برابر ہو سکتے ہیں؟
6۔ کیا اچھا اور بُرے انسان برابر ہو سکتے ہیں؟
7۔ کیا مومن اور گناہگار برابر ہو سکتے ہیں؟
8۔ کیا سچا اور جھوٹا برابر ہو سکتے ہیں؟
9۔ کیا Pioneers اور Follower برابر ہو سکتے ہیں؟
10۔ کیا جنتی اور جہنمی برابر ہو سکتے ہیں؟
11۔ کیا دوست اور دشمن برابر ہو سکتے ہیں؟

غرض صرف زیادہ اچھے اعمال والا یا زیادہ علم والا شخص، دوسرے انسان پر برتری یا بلند درجہ اور بلند مرتبہ رکھ سکتا ہے ورنہ

تمام انسان برابر ہیں۔

عالم کے مرتبے:

اگر کوئی علم میں زیادہ ہے تو اُس کی قدر منزلت عزت اللہ تعالیٰ کے دربار میں زیادہ ہے۔ حضرت عمرؓ تجارت کے لیے جس ملک جاتے، وہاں عالموں کو تلاش کر کے، اُن سے ملاقات کرتے۔ اُن کی محفلوں میں بیٹھتے اور اردگرد کی خرابیوں، مسائل، تکالیف، برائیوں کو دور کرنے کے لیے تبادلہ خیالات (Discussions) کیا کرتے تھے۔

یہ ایک عام جائزہ ہے کہ اگر آپ اپنے شعبہ کے کسی عالم (Professlonal یا Expert) کے ساتھ کچھ دیر بیٹھیں گے، تو آپ یہ وقت TV پر فحش فلم دیکھنے سے زیادہ Enjoy کریں گے۔ اگر آپ کسی Scholar کی عقل اور علم کے موتیوں سے بھری کتاب پڑھنے لگیں تو آپ خود بخود TV بند کر دیں گے۔ آپ کے علم کی پیاس بجھتی جائے گی اور آپ اُس کتاب کو اس وقت تک پڑھتے ہی جائیں گے، جب تک وہ کتاب ختم نہ ہو جائے۔

ابھی ہم انسانوں کی کیفیت ایسے بچوں کی سی ہے جو علم کے سمندر کے کنارے پر، سیپیوں گھونگھوں سے دل بہلا رہے ہیں۔

ہر عالم سے اوپر ایک اور عالم ہے لیکن اللہ تعالیٰ عقلِ کل Perfect ہے۔ اپنے علم میں اضافہ کرنے کے لئے ہر وقت کوششیں جاری رکھیں۔ اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچا کر، آپ کو خوشی ملے گی، دنیوی طور پر عزت ملے گی اور آخرت میں بھی درجات بلند ہوں گے۔ حضور ﷺ کی ایک اور دعا یوں ہے ''اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما۔''

اللہ کی طرف سے، مقابلے کے لئے، دوسرے تجویز کردہ میدان:

جبلی طور پر (یا By Instinct) ایک انسان میں دوسرے انسان سے آگے بڑھنے کی خواہش موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خواہش کو بُرا نہیں کہتا۔ وہ دولت کی ہوس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی خواہش کو صحیح نہیں کہتا۔ بس مقابلے کا میدان تبدیل کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دولت محلات، گاڑیوں زیورات وغیرہ میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی ریس میں نہ پڑ جاؤ۔ اچھے اعمال کرنے میں اور قرآن کے قوانین ماننے میں، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

استعداد کا فرق (Difference in Different Capacities):

1۔ ذہنی صلاحیت (I.Q) کے اعتبار سے

2۔ کسی خاص شعبہ زندگی میں قدرتی رجحان کی وجہ سے دوسرے شخص پر برتری:

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں تسلیم کیا ہے کہ اُس نے مختلف اقوام اور نسلیں بنائیں تا کہ پہچان ہو سکے۔ مختلف انسانوں کو مختلف جسمانی اور ذہنی استعداد عطا کی تا کہ دنیا کے کاروبار چلتے رہیں۔ اگر کوئی I.Q کے لحاظ سے Genious ہے تو کوئی Average یا Poor (I.Q) رکھتا ہے۔ کوئی شخص اپنی زیادہ ذہنی استعداد، چالاکی یا ہوشیاری سے زیادہ کما سکتا ہے تو کوئی کم کما سکتا ہے۔ استعداد کے فرق میں ایک فرق، دنیا کے مختلف کاموں میں سے، کسی ایک کام کو زیادہ اچھے طریقے سے ادا

کر سکنے کی استعداد کا بھی ہے۔ یعنی Inborn Capability سے کوئی اچھا Mathemetician بن سکتا ہے۔ کوئی اپنے قدرتی رجحان کی وجہ سے زیادہ کامیاب انجینئر یا سائنسدان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کوئی اللہ کی عطا کردہ استعداد کی وجہ سے Fine Arts میں Excellence حاصل کر سکتا ہے۔ کسی شخص کو شعر و شاعری سے کوئی مس یا تعلق نہیں جبکہ دوسرا شخص پیدائشی شاعر ہے۔ کوئی اپنی Genes یا اپنی پیدائشی خوبی کی وجہ سے میوزک کی ایسی مسحور کن دھن ایجاد کر سکتا ہے جو کوئی دوسرا کر ہی نہیں سکتا۔

بنیادی تعلیم و تربیت کے بعد، اپنے Apptitude کے مطابق، اپنی حقیقی استعداد کی تلاش کریں۔ صحیح سمت کے تعین کے بعد زندگی بھر استقامت سے اپنے شعبہ کے Expert یا Professional کے طور پر کام کریں۔ اپنا علم بڑھانے اور اپنے علم سے دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے رہیں۔ اگر آپ نے اپنے Inborn یا Natural telent کے مطابق پیشہ اختیار کیا تو آپ اپنے فن، اپنے ہنر میں کمال (یا Excellence) حاصل کر سکتے ہیں۔ غلط پیشہ کے انتخاب کی وجہ سے ایک ڈاکٹری کے رجحان رکھنے والے کو انجینئر بنا دیں، یا ریاضی کے ماہر کی پیدائشی خوبیاں رکھنے والے شخص کو فنونِ لطیفہ پڑھانا شروع کر دیں تو ایسے اشخاص اپنے شعبہ میں، کبھی بھی کمال (یا Excellence) حاصل نہیں کر پائیں گے۔ نہ ہی کوئی نئی ایجاد یا (Discovery) کر پائیں گے۔ جب تک کسی شخص کا شوق کی (Hobby یا Passion)، اس کا پیشہ (Profession) نہ ہو، کوئی کمپیوٹر، کوئی انٹرنیٹ یا کوئی موبائل فون ایجاد نہیں ہو سکتا۔

نوٹ:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے جو کچھ کمایا ہے وہ میری ہنر، میری محنت کی وجہ سے ہے۔ میں اپنی آمدنی میں سے دوسروں کے لیے کیوں دوں تو اس بات پر اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ جس بہتر جسمانی یا ذہنی استعداد کی وجہ سے تم دوسروں سے زیادہ کمانے کے قابل ہوئے، وہ استعداد بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہے۔ اس بہتر استعداد کے حاصل کرنے میں تمہارا اپنا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوا۔ اس لئے تم ایسے لوگوں کو جو اپنی کم استعداد کی وجہ سے اپنی بنیادی ضروریات پوری نہیں کر سکتے، تم اپنی کمائی میں سے اُن کے لئے دو۔ حوادثِ زمانہ تم سے یہ استعداد چھین بھی سکتے ہیں۔ ایسے معاشرہ کے قیام کی کوشش کرتے رہو جہاں محروم افراد کی نشوونما اور مدد کا انتظام ہو۔

غلام احمد پرویزؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن اور شاعری

شاعری کیا ہے:

آپ نے دیکھا ہے کہ مخالفین حضور ﷺ کے متعلق یہ بھی کہتے تھے کہ آپ ﷺ ایک شاعر ہیں اس لئے آپ ﷺ جو کچھ کہتے ہیں وہ حقیقت پر مبنی نہیں اور نہ ہی اس قابل کہ اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ قرآن کریم نے اس کی تردید کی اور فرمایا کہ:

وَمَا عَلَّمۡنٰہُ الشِّعۡرَ وَمَا یَنۡۢبَغِیۡ لَہٗ ؕ اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ وَّقُرۡاٰنٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۶۹﴾ (36:69)

اور (دیکھو) ہم نے محمد (ﷺ) کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی شاعری اس کے لئے مناسب ہوسکتی ہے یہ (کتاب) اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ (پیامِ حق کی) یاددہانی واضح قرآن ہے۔

یعنی یہ کہ آپ شاعر نہیں اس لئے کہ شاعری ایک پیغمبر کی شایانِ شان ہی نہیں۔ اس سے بظاہر مترشح ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے شعروشاعری کی سخت مخالفت کی ہے اور اسے مسلک پیغمبری کے خلاف قرار دیا ہے۔ قرآن کی آیات سے یہ استنباط وضاحت طلب ہے۔

زبان، اظہار مدعا کا ذریعہ ہے اور نوع انسانی کے لئے بہت بڑا امتیاز۔ اس اظہار مدعا کے لئے انسانوں نے دو انداز اختیار کئے ہیں۔ ایک تو وہ جس میں روزمرہ باتیں کرتے ہیں۔ اسے نثر کہتے ہیں، دوسرے شعر، شعر کیا ہے؟ نثر کے الفاظ کو ایک خاص ترتیب میں رکھ دیا جاتا ہے اس اعتبار سے نثر اور نظم، الفاظ کی ترتیب کے دو مختلف اسلوب ہیں۔ قرآن کریم جو زندگی کے حقائق پیش کرتا ہے ایسی نیچی سطح پر نہیں اتر سکتا کہ ان دو اسالیب بیان میں سے ایک کی ایسی مذمت کرے کہ وہ کسی بلند شخصیت کے شایان شان ہی نہ رہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ جب قرآن نے یہ کہا ہے کہ شاعری رسول کے شایانِ شان نہیں تو اس سے مقصود الفاظ کی وہ خاص ترتیب نہیں جس سے شعر موزوں ہوجاتا ہے بلکہ ایک خاص نفسیاتی کیفیت ہے۔

شاعر کی نفسیات:

جسے اس نے ''شاعری'' سے تعبیر کیا ہے۔ یہ نفسیاتی کیفیت یا مسلک حیات کیا ہے؟ اس کی قرآن نے خود ہی دوسرے مقام پر تشریح کردی ہے۔ قرآنِ کریم کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ انسانی زندگی کا ایک خاص نصب العین ہے اور اس نصب العین کا حصول اس کی تمام جدوجہد کا مقصود۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ اس کے نزدیک سفر زندگی میں منزل کی تعیین کا نام ہے ایمان، اور اس منزل تک پہنچنے کی کوششوں کا نام اعمال صالحہ، یہ ایمان اور عمل کی زندگی اس کے نزدیک انسانیت کی زندگی ہے۔ لہٰذا ایک مومن کی زندگی اور رسول کے شایان شان اسلوب حیات۔ اس کے برعکس ایک دوسرا اسلوب زندگی ہے جس میں نہ انسان کی آنکھوں کے سامنے صحیح نصب العین ہوتا ہے نہ دل میں اس نصب العین کے حصول کی تڑپ اس کے جذبات اس کا معبود ہوتے ہیں اور ان کی تسکین اس کی زندگی کا

منتہیٰ۔ یہ جذبات اس کی ناک ❶ میں نکیل ڈالے اسے زندگی کی مختلف شاہراہوں پر ادھر ادھر لئے پھرتے ہیں۔ کبھی تصورات کی ان حسین وادیوں میں کبھی تخیلات کے اُن نگاہ فریب مناظر کی طرف، چونکہ زندگی کا نصب العین متعین نہیں ہوتا اس لئے آج جذبات کی رو میں کچھ کہہ رہے ہیں کل کچھ اور جس قسم کا جذبہ دل میں موجزن ہوا اسی قسم کی آواز زبان پر آ گئی۔ چونکہ جذبات کے اظہار کے لئے شعر کی زبان زیادہ موزوں سمجھی گئی ہے اس لئے جذبات پرستی کی اس نہج زندگی کا نام قرآن نے شاعری رکھا ہے جو ایک مومن کی زندگی کے بالکل برعکس زندگی ہے۔ یہ دو مختلف اسالیب حیات ہیں جن کا تقابل قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ (2:226-224)

اور شاعروں کی پیروی ہمیشہ گم کردہ راہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ (اے پیغمبر!) تم نے دیکھا نہیں کہ وہ (روز) ہر (نئی) وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں؟ اور یہ کہ یہ لوگ وہ باتیں کہتے ہیں جو خود کرتے نہیں ہیں؟

یعنی نہ ان کے فکر کا صحیح مرکز متعین ہے اور نہ ان کے قول اور عمل میں تطابق یہ ہے نفسیاتِ شاعر اور وہ اسلوبِ حیات جس کی خصوصیت پریشانی فکر و نظر، آوارگی قلب و نگاہ اور فقدان عمل و کردار ہے اس کے برعکس ایک دوسرا اندازِ حیات ہے جس میں زندگی کا نصب العین متعین ہے اور انسان کا ہر قدم اس نصب العین کی طرف اٹھتا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ (26:227)

(وہاں) سوائے ان لوگوں کے جو (پیغامِ حق پر) یقین لے آئے ہیں اور جنہوں نے نیک کام کئے اور اللہ کو بہت یاد کیا اور اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا جا چکا انہوں نے اپنی مدافعت کی (یہ لوگ ایک متعین راستہ پر چلنے والے اور گفتار و کردار میں یکساں ہوتے ہیں) اور جن لوگوں نے (ان پر) ظلم کیا ہے وہ بہت جلد معلوم کر لیں گے کہ کس منزل کی طرف وہ پلٹ رہے ہیں۔

سورۂ شعراء کی ان آیات کے دونوں حصوں کو ایک مرتبہ پھر دیکھئے ان کے درمیان جو اِلَّا (مستثنیٰ) آیا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ ''مسلم شعراء'' ہدایت و سعادت کی راہ پر ہیں اس لئے قرآن کے نزدیک محبوب و مرغوب اور ''غیر مسلم شعراء'' ضلالت و غوایت پر ہیں اس لئے مغضوب و مبغوض، مفہوم اس سے یہ ہے کہ جو لوگ اوّل الذکر انداز زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں وہ غلط روش پر جا رہے ہیں۔ لیکن جو دوسرا انداز اختیار کئے ہیں وہ صحیح راستے پر چل رہے ہیں۔ قرآنی اندازِ زندگی اختیار کرنے والا اپنے مدعا کا اظہار نظم میں بھی کرے تو جائز اور درست۔ غیر قرآنی اسلوب حیات اختیار کرنے والا اپنا مفہوم نثر میں ادا کرے تو بھی غلط۔ قرآن اسالیب زندگی سے بحث کرتا ہے نہ کہ طرق اظہار مدعا سے۔ لہٰذا قرآن نے جب ''شاعری'' کو غوایت کی راہ کہا ہے تو اس سے مفہوم ہے کہ وہ نفسیاتی کیفیت ہے جو انسان کو غلط روش زندگی پر لے جاتی ہے اور فکر و عمل کی دنیا میں کہیں کا نہیں رکھتی۔ یہی وہ ''شاعری'' ہے۔

---

❶ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ (45:23، 25:43) (اے پیغمبر! ﷺ) تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جنہوں نے اپنے خیالات ہی کو اپنا معبود بنا لیا ہے

مسلمان شاعروں کی قوم بن چکی ہے:

جو ایک مدت سے مسلمانوں کے ہر شعبہ حیات پر مستولی ہے اور ان کی کسی کوشش اور تحریک کو بار یاب نہیں ہونے دیتی۔ اگر ان کی باتیں سنئے تو ایسا معلوم ہوگا گویا ایک سیلاب امنڈتا چلا آرہا ہے جو دنیا کی ہر قوت کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا اور جب عمل کی طرف آئے تو یہ حالت کی ادنیٰ سے ادنیٰ چوکھٹ پر بھی سجدہ ریزی کر لئے تیار۔ اجتماعات قومی میں ان کے ریزولیوشنز کے الفاظ سے ان کے عزائم اور انہیں ان کے کردار کے ترازو میں تولئے تو ایک پرکاہ ثابت ہوں گے جسے ہوا کا ہلکا سا جھونکا اڑائے اڑائے پھرے۔ جذبات کی شعلہ مزاجی کا یہ عالم کہ ذرا سے اختلاف پر نعل برآتش ہو جائیں گے لیکن عدم استقلال کی یہ کیفیت کہ بگولے کا سا یہ تمام رقص و وجد اور جوش وخروش آن کی آن میں خاک نشیں ہو جائے گا۔ یہ تو ہے دنیائے عمل واستقامت میں ان کی حالت۔ دوسری طرف پریشانیٔ فکر ونظر کا یہ عالم کہ ہر ٹولی کا قبلۂ مقصود الگ اور ہر گروہ کا کعبۂ مدعا جداگانہ۔ چار اس کے پیچھے مصروفِ دشت پیمائی۔ دس اس کے ساتھ مشغول صحرا نوردی۔ ہر گروہ ''فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝'' (26:225) کی عبرت ناک تصویر اور ہر جماعت ''يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝'' (26:226) کا تاسف انگیز مرقع اور اس طرح پوری کی پوری قوم اس ''شاعری'' کا عملی پیکر جس کی قرآن نے یوں مذمت کی ہے، لیکن بایں ہمہ یوں فریب میں مبتلا کہ یہ مذمت دوسروں کی کی گئی ہے ہماری نہیں، اس لئے کہ ہم تو ''اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' (26:227) کے استثناء میں آ گئے ہیں۔

خدا ایں سخت جاں را یار بادا کہ افتاد است از بام بلندے

مفہوم: خدا اس سخت جاں کا دوست ہو، کہ یہ بہت اونچی چھت سے گرا ہے۔ (س۔ا)

آیۂ زیر نظر کے آخری ٹکڑا پر ایک مرتبہ پھر نگاہ ڈالئے اور دیکھئے کہ وہ صاحبِ ایمان وعمل گروہ کو فقط باتیں بنانے والوں سے کس طرح متمیز کر کے رکھ دیتی ہے، بایں نمط کہ کسی دیکھنے والے کو ان میں امتیاز کی دشواری ہی پیش نہ آئے۔ دونوں گروہ، ایک دوسرے سے الگ کھلے کھلے اور واضح طور پر متمیز۔ اس گروہ کی خصوصیات میں فرمایا کہ:

1۔ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (33:21) وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں۔

2۔ وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ (26:227)

جب ان پر کسی طرف سے دراز دستی ہو تو وہ اس کی مدافعت کرتے ہیں۔

3۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ: وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ (26:227)

ظلم کرنے والوں کو فوراً نظر آ جاتا ہے کہ ان کا کیا حشر ہونے والا ہے۔

''اللہ کا ذکر'' کس طرح کیا جاتا ہے، اس کی تفصیل، معارف القرآن، جلد سوم (عنوان بنی اسرائیل) میں گذر چکی ہے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے مراد ''خانقاہوں کی تنگ وتاریک کوٹھڑیوں میں، سر بزانو، ہزار ہزار دانوں کی تسبیح پر زبان سے اللہ کا نام دہراتے رہنا اور عملاً ہر طاغوتی قوت کے ماتحت زندگی بسر کرنے پر قانع رہنا نہیں بلکہ دنیا سے غیر خدائی قوتوں کے غلبہ واستیلاء کو مٹا کر اس کی جگہ حکومتِ خداوندی کو قائم کرنا۔'' اس کی عملی تفسیر یوں ہوگی کہ دنیا میں جہاں کہیں جور وتعدی اور ظلم وستم برپا کرنے والی سرکش قوتیں

سر اٹھائیں گی، ''اللہ کا ذکر'' کرنے والے مجاہدین اٹھیں گے اور حق وصداقت اور عدل وانصاف کی مدافعت میں، ہتھیلیوں پر سر لئے میدان عمل میں نکل آئیں گے اور ان طاغوتی قوتوں کو کیفر کردار تک پہنچادیں گے۔ یہ ہے نشانی اس جماعت کی جسے قرآن نے ''شاعروں کے گروہ'' کے مقابلہ میں امتیازی طور پر پیش کیا ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگا لیجئے کہ قرآن کی زبان میں ''شاعر'' کسے کہتے ہیں اور وہ کیوں اس قابل نہیں کہ اس کی اتباع کی جائے۔ مومن شاعری نہیں کرتا۔ کام کرتا ہے۔

مابمداں سر بجیب، او سر بکف

مفہوم: ہم میدانِ (جنگ) میں اس گریباں میں سر جھکائے (محوِفکر) ہیں جب کہ وہ (مومن) اپنے سر کو ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہیں۔ (س۔ا)

اس کی تو شان یہ ہے کہ ؎

جان او پائندہ تر گردد ز موت — بانگ تکبیرش بروں از حرف و صوت
پادشاہاں در قباہائے حریر — زرد رو از سہم آں عریاں فقیر
کارِ ما وابستۂ تخمین و ظن — او ہمہ کردار و کم گوید سخن!

اس لئے

محرم او شو ز ما بیگانہ باش — خانہ ویراں باش و صاحب خانہ باش

مفہوم: اس کی زندگی کو موت سے ہمیشگی ملتی ہے اور اس کی تکبیر الفاظ اور آواز سے ماورا ہوتی ہے۔ وہ بادشاہ جنہوں نے ریشمی قبائیں زیب تن کی ہوتی ہیں اس عریاں فقیر کے سامنے سہم کر زرد رُو لگتے ہیں۔ ہمارا کام تخمینہ اور قیاس تک محدود ہے جبکہ وہ مجسم کردار ہے اور باتیں بہت کم کرتا ہے۔ اس (کردار کے حامل مومن) کا محرم بن جا اور مجھ جیسے (بے عمل) سے بے گانہ ہوجا۔ یہ بظاہر خانہ ویرانی اصل میں صاحب خانہ بن جانا ہے۔

توجہ فرمائیں

آپ کنونشن 2017ء کی تصویری جھلکیاں ہمارے فیس بک آفیشل پیج پر ملاحظہ کر سکتے ہیں جس کا لنک درج ذیل ہے۔

www.facebook.com/talueislam/

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
www.azharabbas.com
khawaja.azharabbas@gmail.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

چیف جسٹس پاکستان کی خدمتِ عالیہ میں گذارش

دیت کا قرآنی مفہوم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کے متبعین نے خود ہی رہبانیت شروع کی تھی۔ ہم نے ان کے لئے رہبانیت فرض نہیں کی تھی اور پھر وہ اس کو نبھا بھی نہیں سکے 57:27۔ قرآن کریم نے اوّل دن سے رہبانیت کی مذمت کی اور اللہ کی اطاعت کو ایک نظام کی اطاعت سے وابستہ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے نبوت کے شروع میں ہی اسلامی نظام کے قیام کی کوششیں کیں، اپنے سامنے نظام قائم فرمایا اور اس نظام کی اطاعت کو عبادت خداوندی قرار دیا۔ اگر عبادت خداوندی اسلامی نظام کے ذریعے نہ ہوتی تو حضور ﷺ اس قدر جدوجہد کر کے نظام کیوں قائم فرماتے۔ حضور نے 82 لڑائیاں مشرکین سے لڑیں لیکن نظام قائم کر کے چھوڑا۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ اگر عبادت خداوندی نظام کے ذریعے نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اولوالامر کی اطاعت کو فرض قرار نہ دیتا۔ قرآن کی رُو سے اولوالامر کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح رسول کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ اولوالامر کی اطاعت کے بغیر رسول کی اطاعت نہیں ہوسکتی ہے۔ اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصل چیز نظام کی اطاعت ہے۔ لیکن خلافت راشدہ کے بعد سے ہم سب مسلمان رہبانیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ رہبانیت صرف جنگلوں، پہاڑوں، ویرانوں میں پرستش کرنے کا نام نہیں ہے۔ قرآن کی رُو سے، اسلامی نظام کو نظر انداز کر کے، براہِ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا اور انفرادی نجات طلب کرنا، رہبانیت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے۔ چلوں پر نکل پڑنا، اور ہر طرح کی پرستش رہبانیت میں شامل ہوتی ہے۔ ہمارا سارا فقہ ہمارے علماء کرام اور فقہا عظام کی ذاتی آراء ہیں۔ یہ فقہ کسی اسلامی مملکت کا جاری کردہ نہیں ہے، اس لئے یہ نہ اسلامی ہے اور نہ اس کی اطاعت فرض ہے۔ اسلامی مملکت کا Constitution صرف قرآن ہوتا ہے۔ مملکت کا سربراہ اور قانون ساز ادارے خود قرآن سے قوانین استنباط کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور ان قوانین کی اطاعت عبادت خداوندی ہوتی ہے۔ ان قوانین کا اطلاق اُن ہی کے دور تک ہوگا، آئندہ کی نسلوں کے لئے ان کی اطاعت فرض نہیں ہوگی، اگلی نسلیں اپنا قانون خود قرآن کی حدود میں وضع کرتی چلی جائیں گی۔ فقہ کوئی جامد Static چیز نہیں ہوتا۔ اگر سابقہ نسل کے قانون اور موجودہ دور کی نسل کے قانون میں کوئی فرق ہوگا، تو موجودہ نسل سابقہ قانون کو رد کر دے گی۔ ہر نسل اپنے دور کے موجودہ تقاضوں کے مطابق قانون بناتی چلی جائے گی۔ لیکن یہ شرط ہر وقت پیش نظر ہوگی کہ قانون قرآن کی حدود میں ہو، اس سے سرمو انحراف نہیں ہوسکتا۔

اِس مختصر سی تمہید کے بعد دیت کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں دیت کا ذکر دو مقامات پر آتا ہے۔ ایک سورۃ بقرہ 178 اور دوسرا مقام سورۃ النساء 92 میں۔ سورہ بقرہ میں اصول ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قتل کا بدلہ قتل ہے۔ اس جگہ قتل کی تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ لیکن سورہ النساء میں قتل کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور قتل عمد اور قتل خطا میں فرق بیان کیا گیا ہے اور ان کی سزاؤں میں بھی فرق بیان کیا' اگر قتل عمد اور قتل خطاء' جرم کو نوعیت اور اس کی سزا میں فرق نہ ہوتا' تو قرآن اِس فرق کو کیوں بیان فرماتا۔ آپ پہلے دونوں آیات کریمات مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ ہم فقہ کی اصطلاحات کو نظر انداز کر کے مسئلہ کو نہایت آسان کر کے تحریر کریں گے۔ البتہ آپ پہلے مسئلہ کو سمجھ لیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کی رُو سے قتل عمد کی سزا صرف قتل ہے' لیکن قتل خطا کی سزا میں دیت شامل ہے۔ ہمارے ہاں فقہ شریف میں قتل عمد کی سزا میں بھی دیت کو شامل کر دیا ہے۔ اور یہ قرآن کے خلاف ہے ہم یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ فقہ شریف کا یہ فیصلہ کہ قتل عمد کی سزا بھی دیت ہے غلط ہے اور قرآن کے خلاف ہے اور قتل عمد کی سزا صرف قتل ہے' دیت ہرگز ہرگز اس میں شامل نہیں ہے۔ آپ اب دونوں آیات ایک جگہ ملاحظہ فرمائیں۔

(1) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ (2:178)

ترجمہ: اے ایمان والو جو لوگ ناحق مارے جائیں ان کے بدلے میں تم کو جان کے بدلے جان لینے کا حکم ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد' غلام کے غلام' عورت کے بدلے عورت' پس جس قاتل کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو اسے بھی اسی کے قدم بقدم نیکی کرنا اور خوش معاملگی سے خون بہا ادا کر دینا چاہئے۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے۔

(2) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۙ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ (4:92)

ترجمہ: کسی مومن کو یہ جائز نہیں کہ کسی مومن کو جان سے مار ڈالے' مگر خطا سے جو شخص کسی مومن کو خطا سے قتل کر ڈالے تو اس پر ایک ایماندار غلام کو آزاد کرنا اور مقتول کے قرابت داروں کو خون بہا دینا لازم ہے۔ مگر جب وہ لوگ معاف کر دیں تو پھر اگر مقتول ان لوگوں میں سے ہے جو تمہارے دشمن ہیں اور خود قاتل

مومن ہے تو صرف ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا اور اگر مقتول ان لوگوں میں سے ہو جن کا تم سے عہد و پیمان ہو چکا ہے تو قاتل پر وارثانِ مقتول کو خون بہا دینا اور ایک بندۂ مومن کا آزاد کرنا واجب ہے۔

آپ نے دونوں آیات مع تراجم ملاحظہ فرمائیں ان کو ذہن میں مستحضر رکھیں۔ پہلی آیت میں قصاص کے حکم پر اصرار ہے تاکہ سوسائٹی میں امن و امان قائم رہے یہ واضح رہے کہ قصاص کے معنے بدلہ لینا یا سزا دینا نہیں ہے بلکہ قصاص کے معنے مجرم کا تعاقب کرنا اور ان کو ہر حالت میں trace out کرنا ہے۔ قتل کے بدلے قتل کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بات واضح کی گئی ہے کہ قتل کے بدلے میں رتبہ اور Status کا کوئی خیال نہ رکھا جائے۔

دوسری آیہ کریمہ میں قرآن نے قتل کی وضاحت کی ہے اور قتل عمد اور قتل خطا کا فرق واضح فرمایا ہے۔ چونکہ دونوں قتل کی نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اِس لئے ان کی سزاؤں میں بھی فرق رکھا ہے۔ قتل بالخطا میں دیت کا حکم ہے۔ اِس دیت کے ادا کرنے کی تفصیل بھی بیان فرمائی ہے۔ ہمیں دیت کی ادائیگی کی تفصیل سے یہاں کوئی بحث نہیں۔ اس کا اصل issue سے تعلق نہیں۔ اصل issue تو یہ ہے کہ قتل عمد میں دیت کی اجازت بالکل نہیں ہے۔

قرآن کریم کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ قرآنِ کریم اپنا مفہوم تصریف آیات سے واضح کرتا ہے قرآن نے فرمایا کہ جو چیز چاہو کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو (7:31)' لیکن تین مقامات پر 4 چیزوں' مردار لہو' سور کا گوشت' اور منسوب اِلیٰ غیر اللہ کو حرام قرار دے دیا۔ ان چار چیزوں کا کھانا حرام ہے (5:3، 16:115، 2:173) اسی طرح قرآن نے نکاح کا حکم دیا کہ جو عورتیں تمہیں پسند کریں تم ان سے نکاح کر لو (4:3) لیکن دوسرے مقام پر محرمات کی فہرست دے کر فرمایا کہ ان عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے (4:23)۔ قتل کی سزا کے بارے میں بھی قرآن نے دو جگہ ذکر کیا ہے۔ ایک مرتبہ سورۂ بقرہ میں مطلق قتل کا ذکر ہے وہاں قصاص پر اصرار اور قاتل کے مرتبہ کی تردید کی گئی ہے۔ سورہ النساء میں قتل کی نوعیت کو واضح کیا اور اس میں قتل بالخطاء میں دیت کے حکم کو شامل کیا۔

چونکہ ہماری زندگی پر رہبانیت کا اثر ہے اور ہم ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی نظام کو درمیان میں نہ آنے دیں اس لئے ہمارے فقہ نے اس قتل کو فرد کے خلاف جرم قرار دیا ہے حالانکہ قتل عمد ریاست کے خلاف Crime ہے۔ مجرم کو تلاش کرنا ورثا کا کام نہیں ہے اور نہ ہی بدلہ لینا ورثا کا کام ہے۔ اگر وارث کمزور ہیں تو وہ تو بدلہ لے ہی نہیں سکتے۔ قرآن کریم میں جہاں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ (2:183) کے الفاظ آتے ہیں' اس میں اصل تخاطب اسلامی نظام سے ہوتا ہے۔

سورۂ نساء کی آیت میں جب واضح طور پر ''وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَئًا'' (4:92) میں خطاء کا لفظ داخل کر دیا تو یہ اس بات کی محکم' اور نا قابل تردید دلیل ہے کہ دیت کا انحصار صرف اور صرف خطاء پر ہے۔ یہاں قرآن نے خطاء کے لفظ کو شامل کر کے' قتل عمد کو دیت سے خارج کر دیا ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ قتل عمد اور قتل خطاء دونوں صورتوں میں اصل ذمہ داری سٹیٹ کی ہے۔ ورثا پر نہ کوئی ذمہ داری ہے

نہ ان کا کوئی بنیادی کردار ہے۔ قتل خطاء میں بھی دیت کی رقم کا تعین اور اس کی لین دین حکومت کی معرفت ہوگی۔ ورثا کو از خود معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے' کیونکہ ورثا متوفی کے ترکے کے وارث ہوتے ہیں' اس کی جان کے وارث نہیں ہوتے۔

یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ اللہ کے نام پر معاف کرنے کا طریقہ بھی رہبانیت کا طریقہ ہے۔ اسلامی مملکت میں کسی شہری کا کوئی تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوتا۔ صرف نظام کی معرفت ہوتا ہے اور اسی کی معرفت اطاعت و معصیت ہوتی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ اے ایمان والو اللہ کو قرضہ دو (73:20)' اس کے یہ معنے نہیں کہ لوگ روپوں کی بوریاں لے کر آسمان پر اللہ تعالیٰ کو رقم دے آئیں بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اللہ کے نظام کو قرض دو اور اس کو مضبوط کرو۔ اللہ کے نام پر معاف کرنے کا یہ تصور رہبانیت کا ہے۔ قرآن کی رو سے اللہ کے نام پر معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جسے معاف کرنا ہے اسے نظام کی معرفت معاف کیا جائے۔

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ یہ بات بالکل صاف ہے کہ قرآن نے دیت کی سزا صرف قتل خطاء میں رکھی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے فقہ نے اتنی بڑی لغزش کی کہ اس میں قتل عمد کو بھی شامل کر لیا۔ اس کی وجہ آیہ کریمہ کا یہ حصہ ہے ''فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ'' (2:178) (ترجمہ) ''جسے اس کے بھائی نے کچھ معاف کر دیا ہو''۔ آیہ کریمہ کے اس حصہ کا تعلق قتل خطاء سے ہے۔ اس کا تعلق قتل عمد سے ہے ہی نہیں۔ ہمارے فقہ نے اس حصہ کا تعلق قتل عمد سے کر کے بڑی لغزش کی اور اسی وجہ سے یہ ساری پیچیدگی پیدا ہوئی۔ آپ خود غور فرمائیں کہ اس آیت کا تعلق اس جرم سے ہو ہی نہیں سکتا جس کی سزا موت ہو۔ کیونکہ موت کی سزا کا کوئی حصہ معاف کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اِس آیت کا تعلق اس جرم پر ہوگا جس کی سزا کا کوئی حصہ معاف کیا جا سکتا ہو۔ یہ سزا' دیت' قتل خطاء کی ہے۔ کیونکہ قتل عمد کی سزا' موت میں سے کوئی شے معاف ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا سورہ بقرہ کی آیت کو سورہ النساء کی آیت کے ساتھ پڑھ کر مطلب واضح ہوتا ہے کہ

(1) قتل عمد کی سزا موت ہے جس میں سے کچھ معاف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(2) کچھ معاف کرنے کا سوال اسی جرم کے ضمن میں ہو سکتا ہے جس کی سزا ایسی ہو جس میں سے کچھ معاف کیا جا سکے' اور وہ جرم قتل خطاء ہی ہو سکتا ہے' قتل عمد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قتل عمد میں بھی دیت کی اجازت ہے تو معاشرہ میں قتل کا دروازہ کھل جائے گا۔ امیر آدمی قتل کر کے دیت دے دیں گے اور غریب آدمی بالکل غیر محفوظ ہو جائے گا۔

یہاں دیت سے متعلق مضمون ختم ہو گیا۔

روزنامہ دی نیوز مورخہ 22 ستمبر 2013ء میں ایک مضمون جناب محترم افتخار مرشد صاحب کا طبع ہوا ہے۔ جس میں اُنہوں نے دیت کے موضوع پر تبصرہ کیا ہے۔ ہمارے ہاں اتفاق سے چونکہ صرف دیت کے متعلق واقعات پیش آ رہے ہیں اس لئے یہ موضوع بار بار زیر بحث آ رہا ہے۔ لیکن آپ یقین کریں کہ ہمارا فقہ کا اکثر حصہ اسی طرح کے خلافِ قرآن قوانین پر مشتمل ہے۔ اب جو کوئی مسئلہ بھی پیش آئے گا یہ بات کھلتی چلی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ ایک ہزار سال پیشتر

کے بنائے ہوئے قوانین ہیں۔ اِس کے وضع کرنے کا طریقہ غلط ہے۔ یہ تو ہمارے علمائے کرام اور فقہائے عظام کی ذاتی، انفرادی آراء ہیں۔ ان کو حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کیا ہوا ہے۔ ان دونوں حضرات کی کوئی کتاب ہی موجود نہیں ہے۔ دیت کے بارے میں ہمارے دانشور، اینکرز اور .T.V چینلز کے مباحثوں میں حصہ لینے والے حضرات، سب اِس قانون پر اعتراض کرتے ہیں کہ قتلِ عمد میں خوں بہا کس طرح درست ہوسکتا ہے۔ لیکن جب ان کے سامنے شرعِ شریف کا حوالہ دے دیا جاتا ہے۔ تو وہ خاموش ہوجاتے ہیں۔ ان حضرات میں سے کوئی شخص یہ تکلیف گوارا نہیں کرتا کہ وہ خود براہِ راست اِس قانون پر غور کرے۔

محترم جناب افتخار مرشد صاحب نے اپنے قیمتی اور علمی مضمون میں، جناب سابق چیف جسٹس افتخار محمد چودہری صاحب کی رائے دیت کے بارے میں نقل کی ہے۔ ہم محترم چیف جسٹس صاحب کی رائے ان کے الفاظ میں لکھ رہے ہیں۔ آپ خود ملاحظہ فرمالیں۔

"Pardoning a murder "in the name of God was a travesty and amounted to circumvention of the Law"

محترم جناب چیف جسٹس کے الفاظ تو چند ہی ہیں لیکن ان کا مفہوم بہت وسیع وعمیق ہے۔ اِس سے زیادہ بھرپور تبصرہ اور نہیں ہوسکتا ہے۔ ہم جناب چیف جسٹس صاحب کی خدمتِ عالیہ میں اتنا عرض کرسکتے ہیں کہ وہ ہمارے فقہ کو قرآن کے مطابق بنانے کی راہ ڈال دیں تاکہ ہمارا فقہ قرآن کے مطابق ہوجائے۔ اور اسلامی قانون اضحوکہ بننے سے بچ جائے یہ آپ کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ یہ کام ایک دو دن کا نہیں ہے۔ اس میں بڑی محنت درکار ہے۔ اِس کی شدید ترین مخالفت ہوگی۔ اس میں Spade work تحریک طلوع اسلام بڑی حد تک کرچکی ہے۔ اِس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اب بھی تحریک طلوع اسلام مزید مدد دے سکتی ہے ضرورت صرف خلوص اور جرأت کی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کو ایک خط میں تحریر فرمایا تھا کہ جو شخص اِس دور میں اسلامی فقہ کو قرآن کے مطابق بنائے گا۔ اس کا درجہ اس دور کے امام ابوحنیفہ کے برابر ہوگا۔ ہماری دُعا ہے کہ یہ سعادت آپ کے حصہ میں آجائے۔ اللہ تعالیٰ خود آپ کی مدد فرمائے گا۔ کیونکہ اس کا وعدہ ہے کہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (47:7) اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا، اللہ کی مدد یہی ہے کہ اس کے قانون کو صحیح طور پر معاشرہ میں جاری کیا جائے۔ ہماری ہر طرح کی مدد آپ کے لئے حاضر ہے۔

(مطبوعہ طلوع اسلام، نومبر 2013ء)

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(قسط نمبر 11)

دو قومی قرآنی نظریہ پر مطالبۂ پاکستان

سپائی نوزا کا نظریہ جذبات:

سپائی نوزا جذبات کی دو اقسام کو سامنے لاتا ہے:

1۔ منفعل جذبات وہ ہیں جن کی علتوں کا ہم فہم نہیں رکھتے، بلکہ ہم پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ اور جس کی علت جزوی طور پر ہمارے خارج سے تعلق رکھتی ہے، یہ غیر معتدل اور ناموزوں ہوتے ہیں۔ انہیں حیوانی جذبات کہا جاتا ہے۔

2۔ فعال جذبات جو منفعل جذبات کے برعکس ہمارے علم اور شعور سے حاصل ہوتے ہیں۔ ہمارے وجود میں رونما ہونے والی تبدیلی کی مکمل علت ہمارے اندر موجود ہوتی ہے۔ یہ انسانی جذبات کہلاتے ہیں اور یہ انسان کو حیوانوں سے ممتاز کر دیتے ہیں۔

فعال جذبات کو سپائی نوزا مزید دو بڑی مدّات میں تقسیم کرتا ہے۔

1۔ ایک عقلی حُبِ نفسی، جو شہوت یا اشتہائے نفس سے تعلق رکھتی ہے، جو انسان کو حیوانی زندگی گزارنے کی دعوت دیتی ہے۔ یہ صرف ہماری ذات کے تحفظ کا احساس رکھتی ہے۔ اس کے لئے ایثارِ ذات مطلقاً ناممکن ہے۔

2۔ دوسری عقل فیض رسانی جو سخاوت کہلاتی ہے اور انسانوں کو غلامی سے نکال کر آزادی عطا کرتی ہے۔ اس نظریے کے مطابق کوئی جذبہ ہی دوسرے جذبے کو ہمارے ذہن سے نکال سکتا ہے۔ چنانچہ منفعل جذبات کو شکست دینے اور مار بھگانے کے لیے فعال جذبات ہی کارآمد ہو سکتے ہیں۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اندر کے فرق کو حیوانی اشتہاؤں اور انسانی خواہشات کے ذریعے سامنے لایا جائے۔ بنیادی طور پر نباتات کی ضروریات کے لیے احتیاج (Want) کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جانوروں کے لیے اشتہا (Appetite) کا اور انسانوں کے لیے خواہش (Desire) کا۔ نباتات میں صرف احتیاجات ہوتی ہیں۔ رجحان اور غایت دونوں کا شعور نہیں ہوتا۔ جانوروں میں احتیاجات اور اشتہا، دونوں موجود ہوتے ہیں اور رجحان کا شعور بھی کسی قدر ہوتا ہے لیکن غایت کا علم نہیں ہوتا۔ انسانوں میں احتیاجات، اشتہا اور خواہشات تینوں ہی موجود ہوتی ہیں اور انسانی خواہش میں رجحان اور غایت دونوں کے متعلق شعور ہوتا ہے۔ وہ خواہشات پورا کرنے کے ذرائع کے بارے میں جائز اور درست کی تمیز

بھی رکھتا ہے۔

میکینزی کی وضاحت:

اس بنا پر پروفیسر میکینزی انسانی خواہش اور حیوانی اشتہا کے ذریعے انسان کے اندر انسانی اور حیوانی تقاضوں میں مندرجہ ذیل فرق بیان کرتا ہے:

1۔ اشتہا میں غایت کا شعور نہیں ہوتا، خواہش میں غایتی شعور کا ہونا ضروری ہے۔ اس غایت کو یا تو خیر سمجھا جاتا ہے یا حصولِ خیر کا ضروری ذریعہ۔

2۔ اشتہا جبلی اور فطری میلانات کا نام ہے، خواہش عقلی اور اکتسابی شے ہے۔

3۔ اگر خواہش پایہ تکمیل کو پہنچ جائے تو لذت کا موجب بنتی ہے اور اگر پوری نہ ہو سکے تو الم کا باعث، لیکن خواہش میں انسان کے لیے لذت والم اتنی اہم نہیں جتنی جانوروں کی اشتہا میں ہے۔ اس کی مثال روزہ دار کی بھوک اور پیاس کی تکلیف کسی غایت کے لیے برداشت کرنے میں سامنے آتی ہے۔

ڈاکٹر برہان احمد فارقی کی جبلت اور جذبات کے متعلق وضاحت:

جذبات کی وضاحت میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی بحث سے بھی وضاحت ملتی ہے کہ باطنی طور پر ہماری انا ء دو بنیادی عناصر پر مشتمل ہے۔(30)

(ا) جبلت: جن کو وہ خواہش کا نام دیتا ہے۔

(ب) جذبات: جن کو وہ عقل کا نام دیتا ہے۔

سیرت پختہ اس وقت ہوتی ہے جب فطری (جبلی) اور کسبی (عقلی) میلانات میں تصادم نہ ہو اور جب تمام خواہشات ایک ہی سلسلے میں منسلک ہو جائیں۔ جس طرح انسان میں عقل وشعور، فہم وادراک یا طاقت اور قوت، مختلف صلاحیتیں ہیں۔ اسی طرح جذبات بھی ایک صلاحیت کے مظہر ہوتے ہیں اور یہ صلاحیت بڑی اہم ہے اس لیے کہ انسانی عمل (کام) کے محرک اس کے جذبات ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس طرح عقل وشعور یا دولت وقوت بذاتِ خویش قابلِ نفرت نہیں اسی طرح جذبات بھی بجائے خویش قابلِ نفرت نہیں۔

جذبات پر مکمل قابو رکھنے پر قرآن کا موقف:

عقل خود بین کے تحت بے قابو جذبات کی فریب کاریاں انسان کو ہمیشہ یہ سکھاتی رہتی ہے کہ تجھے صرف اپنے مفاد کی حفاظت کرنی چاہیے، دوسرے اپنی فکر خود کریں۔ قرآن کریم میں: وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (3:104) اکثر مقامات میں آیا ہے۔ قرآنی معاشرہ اپنی زندگی کے معمولات کے لئے قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں آئین اور قوانین اور قواعد وضوابط مرتب کرتا ہے۔ جو باتیں اس طرح قابل قبول ٹھہرائی جاتی ہیں، انہیں معروف کہا جاتا ہے

اور جن باتوں کو نا قابل قبول قرار دیا جاتا ہے، انہیں منکر کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی ان ہر دو جامع اصطلاحات یعنی معروف اور منکر کے تحت ایک اسلامی معاشرہ کے تمام محمود و نا محمود، معقول و نا معقول، مقبول و نا مقبول، پسندیدہ اور غیر پسندیدہ امور آ جاتے ہیں۔ لہٰذا ہر اس بات میں اطاعت کی جائے گی، جسے قرآنی نظام قانونی حیثیت دے دے۔ قرآنی نظام بے شک صرف انہیں باتوں کو قانونی حیثیت دے گا جو قرآنی اصولوں کے مطابق ہوں گی۔ جو بات قرآن کریم کے مطابق نہیں ہوگی، وہ معروف نہیں بلکہ منکر ہوگی۔

اسی ارتقائی سفر کو علم کے حوالہ سے بطور عاقل حیوان کے سامنے لایا جاتا ہے۔

حیوان سے انسان کا بطور عاقل حیوان تک ارتقاء کا سفر:

لہٰذا یہاں ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اپنے اِس باب کے موضوع نظریہ ارتقاء میں حیوان سے انسانی طبیعی زندگی کے مقام تک کے سفر کو جسے ارسطو اِس دنیا میں ارتقاء کی آخری منزل بطور عاقل حیوان کے قرار دیتا ہے، اِس کا قدرے تفصیلی جائزہ لیا جائے ارسطو نے انسانی ارتقاء میں علم کی اہمیت بتاتے ہوئے انسان کو حیوان سے بلند نوع قرار دیتے ہوئے اِسے بطور ناطق (عاقل) حیوان کے متعارف کیا۔

انسان کا بطور ناطق (عاقل) کا تصور:

قدیم عقلی علوم میں انسان کی تعریف حیوان ناطق کے الفاظ کے ساتھ کی جاتی ہے، کیونکہ وصف حیوانیت میں انسان دیگر تمام حیوانات کے ساتھ شریک ہے، مگر جو وصف انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز کرتا ہے وہ نطق ہے۔ نطق عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مفہوم بولنا ہے۔ اور انسان اپنے مافی الضمیر کا اظہار الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر کرتا ہے۔ اسلئے اساس تو مافی الضمیر ہے اور نطق اس مافی الضمیر کو علم/عقل سے لے کر دوسروں تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس سے یہ مفہوم بھی لیا جاتا ہے کہ انسان عاقل حیوان ہے۔

اسی لیے عقل و علم کی صلاحیتوں کے ضمن میں، قرآن سے ہمیں درج ذیل صلاحیتوں کی بھی راہنمائی حاصل ہوتی ہے جو انسان کو دیگر حیوانات سے متمیّز اور ممتاز کرتی ہیں۔

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿55:4﴾

''اسے بولنا سکھایا۔'' یعنی انسان کو قوتِ گویائی عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے علم کو بیان کر سکے۔

اسی قوتِ بیان ہی کے نتیجہ میں انسان اِس قابل بھی ہوا کہ اُس میں تحریر کی قوت۔ بھی ودیعت کی گئی۔

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿96:4﴾

''جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔'' یعنی انسان کو تحریر کی صلاحیت دی۔

عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿96:5﴾

''انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' یعنی انسان میں حصول علم کی استعداد و دیعت کر دی۔

ڈیکارٹ کا کہنا ہے کہ کائنات کی ہر شے مقررہ قوانین کے تحت حرکت کرتی ہے۔ اس لئے ان قوانین کو سمجھ کر ہم کائنات کی قوتوں پر قابو پا سکتے ہیں۔ انسان میں یہ صلاحتیں مضمر طور پر رکھ دی گئی ہیں، جنھیں وہ اپنی محنت اور کاوش سے بروئے کار لائے گا۔ یعنی یہ نہیں کہ ہر انسانی بچہ پیدائش کے ساتھ عالم فاضل اور صاحبِ قلم ولسان ہوتا ہے۔ وہ تو بالکل کورا ہوتا ہے، البتہ اس میں ایسا بننے کی صلاحیت ہوتی ہے جس کے لیے محنت اور کاوش درکار ہوتی ہے۔

انسان کا بطور حیوان عاقل کے ارتقاء کا تاریخی جائزہ:

منطق میں انسان کی تعریف کی جاتی ہے کہ وہ عاقل حیوان ہے۔ اس میں حیوان سے مراد انسان کی جسمانی زندگی لی جاتی ہے، جو حیوانی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے، اور نظامِ فطرت کی طرح طبیعی قوانین کی پابندی پر مجبور ہوتی ہے۔ عاقل سے مراد عقل کی صلاحیت کا ودیعت ہونا ہے، جو انسان کو پیکر حیوانی سے حشو و زوائد سے پاک کر کے زیادہ متوازن پیکرِ انسانی کی صورت میں عطا ہوئی ہے۔

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝ (32:7-8)

اُس نے ہر شے کی تخلیق میں حسن و توازن رکھا، اور اس نے انسان کی خلقت کا آغاز بے جان مٹی سے کیا۔

پھر اس کی نسل کو بذریعہ تولید، ایک حقیر پانی کے خلاصہ سے چلایا (یعنی نر اور مادہ کے اختلاط سے چلایا)۔

پھر اس میں صحیح صحیح توازن و تناسب قائم کیا،

حکمائے مغرب میں ارسطو کے نظریہ کا فلسفہ اور نفسیات کے علوم کی روشنی میں جائزہ لینے کے بعد اب درج ذیل عنوان کے تحت یہاں قرآن سے بھی ہمیں اِس فکر کی تائید حاصل ہوتی ہے کہ جسمانی طور پر حیوان ہی کی شکل میں مناسب توازن و تناسب کر کے انسانی صورت میں ڈھال کر اُسے ارتقاء کی اگلی منزل میں عقل کی صلاحیت سے نوازا گیا۔

حکمائے مغرب نے بھی منطق کی رو سے انسان کا حیوان سے ارتقاء تعقل کی صلاحیت سے ودیعت ہونے پر کیا ہے اور وہ علم کی اصطلاح کے لیے ''تعقل'' کا تصور سامنے لا کر بات واضح کرتے تھے۔ تعقل کو انسان کی طرف آغاز ہی سے منسوب کرتے ہوئے تاریخ میں اس کی تعریف سب سے پہلے ہمیں دنیا کے عظیم فلسفی سقراط کے ہاں ملتی ہے۔ جس نے انسان کی توجہ کائنات کے غور و فکر سے ہٹا کر خود اپنے آپ اور دوسرے انسانوں کی طرف بطور عاقل حیوان کے مبذول کرائی۔ اس ضمن میں اس کا مشہور قول ہے کہ: ''اپنے آپ کو پہچانو (Know thyself)''

تعقل کا سوفسطائی نظریہ:

سقراط کے زمانے میں فکری محاذ پر سوفسطائی چھائے ہوئے تھے اور ان کے مشہور فلسفی پروٹاغورس (Protagorass) کے زبان زد عام مقولہ کا چرچا تھا۔

''آدمی ہر شے کا پیمانہ ہے۔ جو اشیاء ہیں ان کا پیمانہ کہ وہ ہیں اور ان کا بھی پیمانہ ہے جو نہیں ہیں کہ وہ نہیں ہیں۔''

اس کا مطلب یہ لیا جاتا تھا کہ ہر شخص اپنی ذات میں حق ہے، اور جب دو آدمیوں میں سے کسی بارے یا مسئلے میں اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو کوئی معروضی سچ یا صداقت ایسی نہیں جس پر پرکھ کر ایک کو درست اور دوسرے کو غلط قرار دیا جا سکے۔

سوفسطائی حکیم گورجیاس کہا کرتا تھا کہ:

دنیا میں کسی چیز کا وجود نہیں۔ اگر کوئی چیز واقعتاً وجود رکھتی ہے تو اس کی حقیقت کا ادراک بشر کے لیے ممکن نہیں۔ مزید یہ کہ اگر حقیقت کا ادراک بھی ہو جائے، تو اس کا ابلاغ ممکن نہیں۔

پروٹاگورس نے ''آدمی'' کی اصطلاح تصور کلیہ کے طور پر استعمال نہیں کی بلکہ ''آدمی'' سے مراد ہر منفرد آدمی ہے۔ انھوں نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ دو آدمیوں کی گفتگو میں کچھ خیالات مشترک بھی ہو سکتے ہیں۔

سقراط کا نظریہ تعقل:

سقراط نے اس کے برعکس یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دو آدمیوں کی گفتگو میں کچھ خیالات اور نظریات ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر دونوں کا کامل اتفاق ہو۔ اگر ابتداء میں یہ اشتراک خیال نہ ہو، پھر بھی استدلال یعنی عقل کے استعمال سے اسے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس فلسفیانہ تفکر کا طریق کار سقراط نے مکالماتی انداز سے حاصل کیا۔ اس مکالماتی طریق کار سے اسے چند مثالیں ضرور مل جاتی ہیں، جن سے اسے کسی شے یا اعمال کی مشترک اور لازمی صفات مل جاتی ہیں۔ سقراط ان کی بنیاد پر ایک تعریف (definition) یا تعقل وضع کرتا ہے۔ اس تعریف کی صحت کو وہ مزید مثالوں کی روشنی میں پرکھتا ہے۔ اگر مزید مثالوں سے کسی شے یا عمل کی تشریح اس کے متعلقہ تعقل یا تصور کلی کے حوالے سے ہو جائے تو سقراط کے بقول ہمیں اس کی حیثیت کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

سقراط نے تاریخ میں سب سے پہلے انہی خطوط پر ''انسان'' کی تعریف کو روشناس کرایا ہے۔ کسی بھی زید یا بکر کی طرف اشارہ کیا جائے کہ ''وہ انسان ہے'' تو ہمارا اشارہ کسی مخصوص اور منفرد آدمی کی طرف ہوگا۔ لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ ''انسان فانی ہے'' تو ہمارا اشارہ کسی مخصوص فرد کی طرف نہیں ہوتا بلکہ ان جماعتوں کی طرف ہوتا ہے جو تمام انسانوں پر حاوی ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم 'انسان'' کا تعقل یا تعریف کس طرح حاصل کرتے ہیں؟ ہم تو روزمرہ کی زندگی میں صرف مخصوص یا منفرد انسانوں سے ملتے ہیں۔ لیکن گفتگو میں ہم وہ الفاظ (یعنی تعقلات یا تصورات کلیہ) استعمال کرتے ہیں جو کسی بھی مخصوص و منفرد شے کی طرف اشارہ نہیں کرتے، جو زمان و مکان کی قیود میں ہوں اور جن کا ہم تجربہ بالحواس کر سکیں۔ ایسے تصورات کس طرح ہمارے ذہن میں آتے ہیں، اور کیا ہم ان کی مدد کے بغیر تفکر کر سکتے ہیں اور اگر کسی زبان کو تصورات کلیہ یا تعقلات سے محروم کر دیا جائے تو کیا خیالات و نظریات کا دوسرے ذہنوں تک ابلاغ ممکن ہے؟ بادنیٰ تامل یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''تفکر'' سوچ بچار، افہام و تفہیم، اور تعلیم و تعلّم کا سارا دارومدار تصورات کلیہ پر ہی ہے۔ انسانی سوچ

تعقلات کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ تعقلات کی بدولت ہی انسان محض حیوانیت کی حدود سے آگے بڑھتا ہے۔ دیکھا جائے تو تعقل کی اہلیت ہی وہ اساسی اور بنیادی فرق ہے جس کی انسان میں موجودگی، اسے حیوان سے ممتاز کر دیتی ہے۔

ارسطو کا نظریہ تعقل:

حکمائے مغرب عام طور پر کسی بھی بات پر گفتگو، اپنی اصطلاحات کی تعریف کر کے شروع کرتے۔ کسی چیز یا اصطلاح کی تعریف کیسے کی جائے، ارسطو کہتا ہے کہ ہر اچھی تعریف کے دو اجزاء ہوتے ہیں۔ یہ دو ستونوں پر قائم ہوتی ہے۔

پہلے تو تعریف کے ذریعے زیر بحث شئے کو ایک جماعت کے اندر داخل کر لیا جاتا ہے، جس کے خصائص عمومی اس شے میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یوں انسان بدرجہ اولیٰ حیوان ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس بات کی توضیح کی جاتی ہے کہ زیر بحث شے اس قسم کی دوسری اشیاء سے کس طرح مختلف ہے۔ چنانچہ انسان، ارسطو کے نظام میں حیوان ناطق ہے۔ ناطق یہاں صاحب وقوف وعقل کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ اس کے بغیر نطق ممکن نہیں۔

اس کے علاوہ باقی تمام حیوانات ہیں اور اس میں مابہ الامتیاز یہی عقل ہے۔ ارسطو کے متعلق مشہور ہے کہ وہ زیر بحث شے کو اس کی جماعت کے سمندر میں ڈبوتا ہے اور پھر جو باہر نکالتا ہے تو اس کی جنس کے خصائص، اس کی جماعت کی خصوصیات، اور اس کے گروہ کی علامات ''پانی کے قطروں'' کی طرح اس سے ٹپکتی ہیں۔

نظریہ تعقل سے واضح ہوتا ہے کہ عقل ہی انسان کو حیوان سے جدا کر کے ایک ممتاز اور منفرد مقام دلاتی ہے۔ لہٰذا جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، انہیں انسان کے درجہ میں آنے کا بھی اہل نہیں کہہ سکتے۔ ارسطو ہی کی زبان میں ابھی تک وہ مادہ ہی کی حالت میں ہوتے ہیں یعنی صورت کا درجہ حاصل نہیں کر سکے۔

جب ہم عقل کو انسان سے مختص کر کے اس استعداد سے منسوب کرتے ہیں، تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ ''استعداد'' ایسی شے کا نام ہے، جو کسی خاص عملی شکل میں مخصوص ہو کر نہ پائی جاتی ہو، بلکہ متضاد و مختلف اثرات کو عملاً قبول کر سکتی اور کرتی رہتی ہو۔

ارسطو کا نظریہ حکمائے مغرب میں صدیوں سے مشہور و معروف ہے۔ اس نظریہ کی تشہیر اور تحقیق میں حکمائے نفسیات نے عصر حاضر میں بہت سے نئے نئے انکشافات کو دریافت کیا ہے۔ اس کام میں وہ ابھی تک مصروف ہیں اور مزید انکشافات متوقع ہیں۔ لہٰذا ان کا مختصر جائزہ لیا جانا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ان عنوانات کی روشنی میں، جو مباحث مقالہ میں پیش کیے گئے، اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ علم النفسیات میں انسان کا حیوان سے ارتقاء عقل کی رو سے ہوا، اس لئے انسان کی منطقی تعریف ''بطور عاقل حیوان'' کے سامنے آتی ہے۔ حیوانی انسان کو احساس کے علاوہ جسے مقالے میں احساس کے عنوان سے واضح کیا جا رہا ہے۔ ارادہ عقل سے بھی ودیعت کیا گیا ہے۔ جب انسان عقل بالقوت یعنی جبلتوں، ہیجانات اور عادتوں کو، عقل کے ذریعے جذبات کی شکل

میں انتخاب کرتا ہے تو اسی عقل فعال کی بدولت اس کا حیوان سے انسان کی سمت ارتقاء ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ عقل فعال (جو اسے حیوان سے علیحدہ کرتی ہے) سے کام نہیں لیتا تو وہ منطق کی رو سے حیوان کے درجے میں ہی رہتا ہے اور اس طرح ارتقاء سے محروم رہتا ہے۔

پہلی قسم کا علم، حسی ادراک اور خیال آفرینی پر مبنی ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ علم ایسے غیر تنقیدی نظریات پر مشتمل ہوتا ہے جنھیں حیوانی جبلت، تلازم اور شنید و افواہ جیسی کمزور بنیادوں پر تعمیر کیا گیا ہو۔ حیوانوں اور پیدائشی طور پر انسانوں کو بھی پہلی قسم کا علم ہی ودیعت ہوتا ہے اور عام طور پر انسان اپنی زندگی میں طویل عرصے تک اس علم کی حدود و قیود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔

یہ الگ بات ہے کہ تمام انسانوں کو اس علم سے نکل کر تعقل کی شکل میں ایک اعلیٰ و ارفع درجے کا علم حاصل کرنے کی صلاحیت بھی عطا کی گئی ہے لیکن اس بات کا احساس بہت کم لوگوں کو ہو پاتا ہے اور ہو بھی تو اس کی اثر انگیزی بہت محدود رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں کی اکثریت پہلی حیوانی قسم کے سطحی علم پر ہی مطمئن دکھائی دیتی ہے۔ اس لیے انسانوں کی اکثریّت حیوانی مقام پر ہے۔

عقل بطور نہی کے مفہوم میں:

نُھی: ''جو شخص روک دیتا ہے۔'' غلط چیزوں سے روکنے والی، انسان کے اندر ایک چیز ہوتی ہے، اس کا نام عربوں نے ''عقل'' رکھا تھا۔ عقل کے معنی ہیں ''روکنے والی چیز، جس سے کسی چیز کو باندھ دیں۔'' عرب لوگ اونٹ کی اگلی ایک ٹانگ دوہری کر کے، اسے ران کے پاس سے باندھ دیتے تھے، جس کی وجہ سے اونٹ کہیں جانے سے رک جاتا تھا۔ جس رسّی سے ٹانگ کو، اس طرح باندھا جاتا تھا کہ اونٹ کہیں نہ جا سکے تو، اس کو یہ لوگ ''عقال'' کہتے ہیں۔ یہ لفظ عقل سے ہے۔ عرب سر پر کپڑا لے کر، سر کے اوپر ایک رسّہ سا لپیٹ لیتے ہیں۔ وہ سر پر لپیٹے ہوئے رسّے کو ''عقال'' کہتے ہیں، جو سر پر رکھے ہوئے کپڑے کو باندھ دیتا ہے کہ کہیں گر نہ جائے۔ لہٰذا جو چیز انسان کو غلط راستے سے روکتی تھی اس کا نام ''عقل'' ہے اور ''نُھی'' بھی اس کا نام تھا۔ یہ جس کو نُھی کہتے ہیں، اس کے معنی باندھ دینا اور روکنا تھا۔ عقل اور نُھی دونوں کے معنی عقل ہیں۔

قرآن بھی انسانی اعمال میں نہی کے اِس تصور کی وضاحت کرتا ہے کہ:

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (9:112)

وہ دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ جن امور کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، ان کو سرانجام دیتے ہیں اور ان باتوں سے منع کرتے ہیں جن کو وہ ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں۔

ہمیں یہاں یہ ذہن میں رکھنا ہوگا کہ ارتقاء کے اِس انسان کے طبیعاتی مقام پر عقل کا فریضہ تحفظِ خویش کے دائرہ میں گھومتا ہے۔

عقل کا فریضہ تحفظ/ مفاد خویش:

مفاد خویش انسان کے اندر بطور جبلت ودیعت کیا گیا ہے۔

ان جبلی جذبات میں سب سے زیادہ تحفظ ذات کا ہوتا ہے۔ چیونٹی کا راستہ روکیے پھر دیکھیے کہ وہ اپنی ننھی سی جان بچانے کے لیے کس طرح مضطرب و بے قرار دکھائی دیتی ہے۔ ہر حیوان اپنی جان بچانے کے لیے آخری حربہ استعمال کر لیتا ہے۔ یعنی ''تحفظ خویش'' کا جذبہ انسان کی حیوانی زندگی کی سطح سے متعلق ہے۔ عقل کا کام یہ ہے کہ وہ تحفظ خویش کے لیے ہر ممکن ذریعہ اور سامان فراہم کرتی ہے۔ لیکن عقل چونکہ ہر شخص کی انفرادی ہوتی ہے۔ اس لیے عقل کا فریضہ صرف اس شخص کی جان کی حفاظت ہوتا ہے جس کی وہ عقل ہوتی ہے۔

ہر ایک کی عقل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے لیے زیادہ سے زیادہ سامان معیشت اکٹھا کرے۔ عقل کی عقل سے لڑائی (Battle of wits) ہوگی۔ جس کی عقل زیادہ کام کرے گی وہ سب کچھ سمیٹ لے گا۔ جب عقل کا فریضہ یہ ہو تو پھر عقل اخلاقیات کا معیار نہیں بن سکتی ہے۔ اخلاقیات کا تقاضہ عدل ہے اور عقل کا تقاضا سلب ونہب۔ اخلاقیات ایثار و قربانی چاہتے ہیں اور عقل تحفظ خویش۔

اخلاقیات ہمدردی سکھاتے ہیں اور عقل کا فریضہ خود غرضی ہے۔

اس سے یہ کہنا مقصود نہیں کہ عقل کوئی قابل مذمت اور باعث نفرت شے ہے۔ ہر چیز کا ایک فریضہ ہوتا ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی اس کا منصب اولین۔ وہ اس دائرہ کے اندر محدود ہے۔ لیکن اگر آپ اسے اس کے دائرے سے کھینچ کر دوسرے دائروں میں لے جائیں گے تو وہ مذموم قرار پائے گی۔ لہٰذا ہمارے اعمال کی بنیاد جذبات پر ہو یا بظاہر سادہ شعور بر مبنی عقل پر، بات ایک ہی ہے ان دونوں کا فریضہ اور مقصد مفاد خویش کا تحفظ ہے۔

عقل کبھی جذبات پر غالب نہیں آسکتی، لیکن جذبات کی شدت عقل کو مغلوب کر لیتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات عقل اپنے بنیادی فریضہ (تحفظ خویش) کی ادائیگی سے قاصر رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان خودکشی کر لیتا ہے لیکن حیوانات خودکشی کرنے پر قادر ہی نہیں کیونکہ ان میں جبلت خود ہی عقل کا فریضہ انجام دیتی ہے۔

اِس کے برعکس انسانی ذات پر جب ہم قرآن کے حوالہ سے گفتگو کریں گے و عقل کے اِس پہلو پر بھی توجہ مبذول کریں گے کہ:

اس کے برعکس قرآن کریم کی رُو سے نہ زندگی بے جان مادہ میں کیمیائی اور طبیعاتی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے اور نہ ہی انسانی شعور حیوانی دماغ کے میکانکی ارتقاء کی اگلی منزل۔ زندگی اور شعور کی تخلیق خدا کی حکمت میں پوشیدہ ہے۔ اپنی ربوبیت سے وہ اسے اس کے منتہیٰ کی طرف لے جا رہا ہے۔ حکمائے مغرب نے جن امور کا تحقیق سے انکشاف کیا ہے، درحقیقت وہ طبیعی قوانین ہیں، جن کے مطابق خالق کائنات اس تمام کارگہِ ہستی کو چلا رہا ہے اور جن کے مطابق ایک جرثومہ حیات مختلف ارتقائی مراحل

طے کر کے پیکر انسانی تک پہنچا ہے۔لیکن وہ انسان کی موجودہ زندگی کے ارتقاء کے اس سلسلہ دراز کی آخری کڑی کا انکشاف نہیں کر سکے۔

انسانی تخلیق کی ابتدائی کڑیاں تو اس سلسلہ کی مظاہر ہیں، جن کی رُو سے دوسرے حیوانات کی پیدائش ہوتی ہے لیکن اس کے بعد انسانی تخلیق ایک یکسر نئے دائرے میں داخل ہوتی ہے، جو پچھلی کڑیوں کا طبیعی نتیجہ نہیں۔جیسا کہ ہم ابھی مطالعہ کر چکے ہیں، اس مقام پر اس میں روح خداوندی (Divine Energy) کا شمہ ڈالا جاتا ہے اور اس طرح اسے صاحبِ شعور و بصیرت اور اختیار و ارادہ کا مالک انسان بنا دیا جاتا ہے۔یہی وہ روحِ خداوندی ہے جس سے انسان اپنی مستقل انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔اسی کو انسانی ذات، نفس، خودی، انا یا ایغو کہا جاتا ہے۔

اگلے ابواب میں صاحبِ شعور و بصیرت اور اختیار و ارادہ کا اختیار رکھتے ہوئے ارتقائی مرحلہ میں انسانی ذات کے مقام تک رسائی کے مقام کا جائزہ لیا جائے گا۔

انسانی زندگی کی ارتقائی حالت:

جب انسان عقل بالقوت یعنی جبلتوں، ہیجانات اور عادتوں کو، عقل کے ذریعے جذبات کی شکل میں انتخاب کرتا ہے تو اسی عقل فعال کی بدولت اس کا حیوان سے انسان کی سمت ارتقاء ہو جاتا ہے۔اس کے برعکس اگر وہ عقل فعال (جو اسے حیوان سے علیحدہ کرتی ہے) سے کام نہیں لیتا تو وہ منطق کی رو سے حیوان کے درجے میں ہی رہتا ہے اور اس طرح ارتقاء سے محروم رہتا ہے۔

پہلی قسم کا علم، حسی ادراک اور خیال آفرینی پر مبنی ہوتا ہے۔مزید برآں یہ علم ایسے غیر تنقیدی نظریات پر مشتمل ہوتا ہے جنھیں حیوانی جبلت، تلازم اور شنید و افواہ جیسی کمزور بنیادوں پر تعمیر کیا گیا ہو۔حیوانوں اور پیدائشی طور پر انسانوں کو بھی پہلی قسم کا علم ہی ودیعت ہوتا ہے اور عام طور پر انسان اپنی زندگی میں طویل عرصے تک اس علم کی حدود و قیود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔

انسانی طبیعی زندگی کے ارتقاء کے سفر میں فہمِ علم کی اہمیت:

یہ ٹھیک ہے کہ انسان ایک حیوان بھی ہے۔لیکن یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ انسان صرف حیوان ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ انسان صرف حیوان ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان تمام خصائص کے وجود کا انکار کرتے ہیں، جو صرف انسان کے اندر ہیں اور باقی حیوانات میں سے کسی میں موجود نہیں۔اس حقیقت کا اعتراف کرنا نہایت ضروری ہے کہ انسان ایک حیوان تو ہے، لیکن اس کی ہستی کی انفرادیت کی بنیاد وہ خصوصیات ہیں، جن میں کوئی اور حیوان اس کا شریک نہیں۔فطرت میں انسان کا مقام اور اس مقام کی بلند ترین اہمیت، انسان کی حیوانیت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی انسانیت کی وجہ سے ہے۔انسان بالکل ایک نئی قسم کا حیوان ہے۔ایک ایسا حیوان، جس میں اگرچہ طبعی ارتقاء کا سلسلہ بھی جاری ہے لیکن اس باب میں ایک بالکل نئی قسم کا ارتقاء بھی نمودار ہو رہا ہے، جو انسانی ذات کی شکل میں نشوونما کا متمنی ہے۔یہی نشوونما یافتہ انسانی ذات شرفِ انسانیت کی موجب ہوتی ہے۔

انسانی ذات کی ایک بنیادی خصوصیت اُسے علم کی قوت سے ودیعت کرنا ہے۔ علم میں سمع و بصر انسانی حواس کے نمائندے ہیں، جو خارجی دنیا کی معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ یہ معلومات انسانی قلب یا فواد تک پہنچتی ہیں، اور اس سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے لئے کچھ فیصلہ کرے۔

علم کی خصوصیت کی حقیقت کے اظہار کے لئے آدم کی خصوصیت کا قرآن نے ذکر کیا ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (2:31)

اور اس نے آدم کو علم الاشیاء عطا کر دیا۔

یہاں آدم کو حیوان سے ممتاز کرنے کی اس صفت کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ آدم کو عاقل حیوان کے مقام پر لا کر الاسماء کا علم دیا گیا۔ اس میں ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ علم کا پہلا درجہ، حواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، جس میں سمع و بصر کا ذکر آ چکا ہے۔ لیکن اس سے آگے علم کا وہ درجہ ہے، جسے مدرکات سے تصورات متعین کرنے کا علم کہتے ہیں۔ یہ حصہ حیوانی نہیں بلکہ انسانی سطحِ زندگی پر حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی تصوری علم کی ہی وضاحت قرآن میں علم الاسماء کے نام سے بیان کی گئی ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ تمام انسانوں کو اس علم سے نکل کر تعقل کی شکل میں ایک اعلیٰ و ارفع درجے کا علم حاصل کرنے کی صلاحیت بھی عطا کی گئی ہے لیکن اس بات کا احساس بہت کم لوگوں کو ہو پاتا ہے اور ہو بھی تو اس کی اثر انگیزی بہت محدود رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں کی اکثریت پہلی حیوانی قسم کے سطحی علم پر ہی مطمئن دکھائی دیتی ہے۔ اس لیے انسانوں کی اکثریّت حیوانی مقام پر ہے۔ یہ جبلتیں، عادتیں اور احساسات انسانی شخصیت کے عالم گیر اجزاء ہیں۔

جبلی، لاشعوری اور غیر ارادی میکانکی انداز حیوانیت کی روش سے ہٹ کر جب ہم جبلی، شعوری اور ارادی انسانی اعمال کی بات کرتے ہیں، تو ماہرینِ نفسیات اسے جذبات کے دائرے کی شکل میں سامنے لاتے ہیں۔

جذبات پر مبنی انسانی شخصیت کے نظریہ سے آگاہی کے بعد وقت آ گیا ہے کہ اب ہم حیوان اور انسان کا بطور عاقل حیوان کے فرق کا تجزیہ کر سکیں۔

انسان کے اندر حیوانی اور انسانی رویوں کا فرق:

ڈاکٹر رفیع الدین نے میکڈوگل کے اس خیال پر کہ انسان کی ساری فطرت اس کی حیوانی جبلتوں پر مشتمل ہے یا اس کے اعمال کا ماخذ یا منبع اس کی حیوانی جبلتیں ہیں، نہایت موثر تنقید کی ہے۔ اِس سے انسان کے اندر حیوانی اور انسانی رویوں کا فرق بھی سامنے آ جاتا ہے۔ اور انسان کے حیوان سے ارتقاء پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

1۔ حیوان صرف جانتا، سوچتا اور محسوس کرتا ہے۔

انسان جب سوچتا، جانتا اور محسوس کرتا ہے تو جانتا بھی ہے کہ وہ سوچتا، جانتا اور محسوس کرتا ہے۔ (جاری ہے)

مرتبہ محمد سلیم اختر خاں

قیامِ پاکستان کے بعد پہلی عید کی کہانی پرویز صاحب کی زبانی

(ماخوذ از درسِ قرآن از پرویز، مورخہ 15 اگست 1980ء۔ تصویر اگلے صفحہ پر دیکھئے۔)

عید آزاداں شکوہِ ملک و دیں عیدِ محکوماں ہجومِ مومنین

مفہوم: آزاد قوم کی عید، ملک اور دین کی شان و عظمت کا شہکار ہوتی ہے جبکہ غلاموں کی عید صرف مسلمانوں کا ایک پریشان حال ہجوم ہے۔ (س۔ا)

''عید تو میں نے کہا آزاد لوگوں کی ہوتی ہے، محکوموں کی عید کیا صاحب! ایک ہجوم ہے اکٹھا ہو گیا۔ وہاں جو آئے تو ذہن میں آیا کہ اب جو عیدِ آزاداں ہے، اس کی پہلی عید ہمیں میسر ہوگی، وہ ساری خوشیاں ہمارے ذہن میں تھیں اور ہمیں پہلی عید جو آئی اپنی آزاد مملکت میں تو وہ اس کیفیت سے عید آئی تھی۔ عجب کیفیت ہے، میں اس کیف اور سرور کو نہیں بھول سکتا جو وہاں عید کی دو رکعتوں میں مجھے سعادت نصیب ہوئی۔ قائداعظمؒ (محمد علی جناح) اگلی صف میں تھے، ان کے بعینہٖ ٹھیک پچھلی صف میں، بالکل ان کے پیچھے، میں کھڑا تھا۔ ایک عظیم شخصیت جس نے ہندو جیسی قوم کی غلامی کی زنجیروں سے چھڑا کر ہمیں آزادی دی تھی۔ وہ مردِ مومن جنہیں میں دس سال سے قریب سے جانتا تھا، دل بھی مومن، دماغ بھی مومن بڑی بلند شخصیت اور ان کے پیچھے یہ سعادت کہ دو رکعتیں نماز کی ادا کی گئیں۔ اقبالؒ (1938-1877ء) نے ''جاوید نامہ'' میں کہا ہے، عجیب چیز ہے۔ وہاں تو دو رکعتیں وہ جلال الدین افغانی اور سید حلیم پاشا کے ذکر میں آیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ؎

با چنیں مرداں دو رکعت طاعت است

اس قسم کے انسانوں کے ساتھ اگر کہیں دو رکعت نماز کی مل جائے، اطاعت اس کو کہتے ہیں۔

ورنہ آں کارے کہ مزدش جنت است

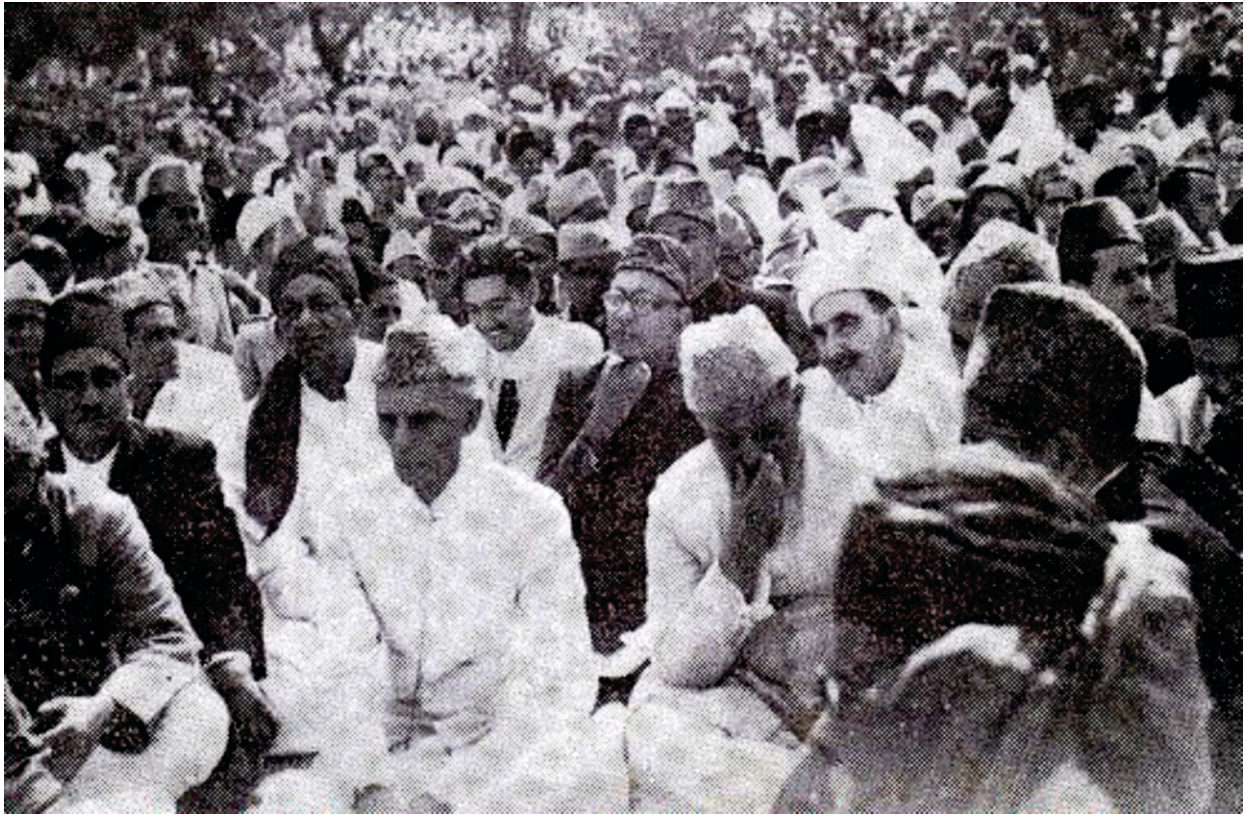
''ورنہ او دیہاڑی ہوندی ہیگی اے، جیہدی جنت ملدی ہوندی ہیگی آ'' کیا بات ہے اقبالؒ کی!

با چنیں مرداں دو رکعت طاعت است ورنہ آں کارے کہ مزدش جنت است

میں نے کہا ہے کہ اس کے لئے دیہاڑی کا ہی لفظ صحیح آتا ہے، ورنہ یہ وہ کام ہے جس کی مزدوری جنت مل جاتی ہے۔ اطاعت تو اس قسم کے مردوں کے ساتھ دو رکعتیں ادا کرنا ہیں۔ عزیزانِ من! وہ دو رکعتیں جو میں نے ادا کی ہیں، اس مردِ مومن کے پیچھے کھڑے ہو کر، میں ساری عمر ان کا کیف و سرور نہیں بھول سکتا۔ لیکن اس عید کے بعد جب وہ کھڑے ہوئے اور ہجوم کر کے لوگ ملنے کے لئے جا رہے تھے، ان کی آنکھوں کا جو نم تھا وہ مجھ سے ہزار داستانیں کہہ رہا تھا۔ عید کی خوشی میں مل رہے تھے لوگوں سے، جگر میں ٹیس لب ہنسنے پہ مجبور، عزیزانِ من! وہ پہلی عید جس طرح سے غم آلود گزری، 33 سال ہو گئے، 33 عیدیں آئیں، ایک عید بھی تو خوشی کی نصیب نہیں ہوئی ہے۔ پتہ نہیں کہ یہ طرح ایسی پڑ گئی اس پہلی عید کی ہمارے ہاں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہوا۔ ''عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں'' ایک شاعر کا مصرع ہے، وہ اس لئے کہ اس نے سچ کہا تھا اس نے عیدِ آزاداں کہا تھا۔ آزادی محض مملکت کے نقشے کے اوپر لکیر کھینچنے سے تو حاصل نہیں ہو جاتی۔ آزادی اور چیز ہوتی ہے۔ ملک کا آزاد ہو جانا اور چیز ہوتا ہے، انسانوں کا آزاد ہونا اور چیز ہوتا ہے۔ وہ نہیں نصیب ہو سکی۔ اس کے باوجود آپ جانتے ہیں کہ میں تو ان میں سے ہوں جو کہا کرتا ہوں کہ ؎

مِلّت کے ساتھ رابطۂ اُستوار رکھ پیوستہ رہ شجر سے، اُمیدِ بہار رکھ! (اقبال: بانگِ درا)

قائداعظم اور پرویز صاحب کی ایک نادر تصویر
(قیامِ پاکستان کے بعد پہلی عید کی نماز پڑھتے ہوئے)



Manzil ba Manzil **(منزل بہ منزل)**

Chapter 6: Tears of passion (*Shola-e-Namnaak* شعلہ نمناک) – To my fellow travelers

(Tulu-e-Islam Convention, April, 1962)

By G. A. Parwez

(Translated by: M. Alam)

Quran's message cannot be suppressed

This is one group that opposes the Quran because of ignorance. This group is not that harmful as the one which uses this group as front for its ulterior interests. The other group is very cunning and uses deceptive means to advance its selfish interests.

But the voice of the Quran has become so common and reached so broad a spectrum of the society that this cannot be stopped anymore by any opposition.

The "Pious one" no more can stop the flow of the elixir of life;
The whole world is deeply thirsty for the Quranic elixir of life!

The voice of those who become madly in love with the Quran's life-invigorating message cannot be stopped. Their condition is such that:

The more they are opposed the more intense their passion becomes!

Every moment of their entire life is spent for the goal of spreading the voice of the Quran so that its universal values could reveal themselves before the world like shining stars; so that the divine order of universal sustenance could practically get established in the world; so that the humanity which has lost its way in the darkness of hell is able to come out of that darkness; and so that Adam who was evicted from heaven could find the shining صراط المستقیم (S*irat-ul-Mustaqeem*) highway that leads to heaven. If they are able to accomplish this goal then they are ready to face whatever punishment their opponents inflict on them:

Let the life's elixir come; let the message of the Quran come;
After that whatever happens, whatever difficulty comes, let it come;
Let the moonlight fall upon me from high heavens above;
Let messenger come carrying the light of the Quran in his hands;
Let every drop of blood in my veins light up like a lamp;
And let the Quran's beloved message come without its veil!

And the Earth will start shining with the light of its sustainer: وَاَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا (39:69) – At that time the Earth (the human society) will glow with the effulgence of Allah's Law of Sustenance and every matter would be decided

according to the Divine Code.

The world may say whatever it wants to say about/against them but their passionate wish is that when the Prophet (PBUH) complains to Allah about his people then they do not want to be included among them: وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ (25:30) – And the Prophet (PBUH) will say, "O my Sustainer, this is the very nation of mine which had put the Quran into the shackles of self conceived ideas, whereby it could not move even a few steps freely." Instead of being guided by the Quran, they made it subservient to their own beliefs and customs.

Touchstone must be the Quran

My dear brothers! You know that I have kept repeating that I am a student of the Quran. Whatever I understand from the Quran, I present it to others. I have never claimed that whatever I have understood from the Quran is the final word or that there is no room for improvement. My books are proof of this claim. I have always invited thinkers and scholars to look at my work with a critical eye and inform me about my mistakes for which I will be thankful to them. But the authority must be the Quran for right or wrong. Even if a common person were to point out my mistake in the light of the Quran then I am ready to submit to him. But if someone or some groups – no matter how large or how powerful – insist that what I am presenting is against the ancestors' way or against established customs and traditions, and therefore , it is against Islam and the دین (*Deen*), then I am not ready to accept this criticism. This is because the Almighty Allah to which I submit one hundred percent says that: اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ (7:3) – Follow only that which has been revealed to you by your Sustainer and do not follow another ally. This is the touchstone for testing right and wrong to me. And: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (5:44) – Those who do not decide their affairs according to what Allah has revealed – they are the ones who in fact are the *K'afireen*, i.e., they belie Allah and His Book.

***

Your responsibility

Now my dear brothers, let us come to other side of this coin. I have said earlier that Nature sometimes uses the force of opposition to advance its message – then it does not mean that you should slow down your efforts to propagate the voice of the Quran, and wait for Nature to do all the work? No, you should not think like that ever at all? It is alright that a barrier speeds up the flow of a river. But it does so only of that river which is able to overcome the barrier and moves forward. If it does not do so, then it becomes a static body of putrid water. Therefore, it is necessary that you must also speed up your efforts as the opposition increases its barrier.

I think it is necessary to clarify an important point in this regard. Those friends

who have been with this movement for a while understand this point but it takes time for the new ones joining this movement. And it is these people that I want to address now. They join this movement with great emotion and start pointing out that we do not have any practical program. As I have mentioned many times before, our various religious and political parties have created the impression that unless there is public crowd; that unless there is clamor and commotion in any program – then that program is not practical. They think that for a "practical" program there must be public slogans, public demonstrations, public speeches, and manifestation of public power and force. Tulu-e-Islam is the first movement of its kind whose mission is to create a fundamental change in the hearts and minds of people. This is because it has understood the reality of the Quran that unless and until there is change in the internal self and psychology of individuals there cannot be positive and productive and sustainable change in the society: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (13:11) – It is indeed a fact that Allah does not alter the condition of a people until they bring about a change in their inner-selves.

Thus, the mission of Tulu-e-Islam is to create this internal psychological change in people. And this goal cannot be achieved by public speeches, demonstrations, and sloganeering. This can only be achieved by propagating the message of the Quran with serene thinking, silent reflection, and continued fortitude.

Spreading the message quietly

I don't know about Lahore but I used to see a special scene in Karachi. Every evening, at a corner on the busiest street in the center of Karachi, a European youth dressed in beautiful suit, used to stand quietly like a statue for several hours with a bag full of magazines. He kept a copy of the magazine in his hand and gave it to anyone who stretched his hand towards him; and pulled another copy from the bag in his hand. I saw him doing this routine for months and years. Similar youth were doing this work in different parts of the city on behalf of some Christian missionary organization. Many people used to make fun of their efforts. But when their annual report was published then it was clear that this silent propagation was having a big impact and it was an effective tool for recruiting volunteers for their missionary organization.

Our program

We have a similar program in front of us, my friends. Our mission is to spread the Quran's teaching. This requires that we should first understanding it ourselves; and then to convey it to others through literature. But it is equally important that our practical life must also provide its proof through our exemplary character and moral behavior. This program of action is a never ending continuous process. But there is a difference between the Quranic program and those missionary's program. They attract people by standing

silently. This is a negative aspect of life and Christianity's special teaching. The Quran brings out the positive aspect of life and declares that this is the right method to invite people to its teaching. It is this method that was recommended to Ibrahim (PBUH) who, having been deeply disturbed by the state of his people, asked Allah how to revive dead nations: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ (2:260) – Each Messenger has been confronted with the problem of giving life to a dead nation. For instance, Abraham faced such a problem and said to Allah: "What is the process by which new life may be infused into a dead nation?" What was the process prescribed by Allah? It was: قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ (2:260) – Allah explained the process to Ibrahim through an example. He said: "Take four untamed birds. At first they will try to get away from you. Make them familiar with yourself gradually. This will bring about remarkable change in them. Even if you set them free and call to them, they will come to you swiftly." This is how you also, my friends, must patiently but quietly reform those who rebel against your call; and try to bring them closer to yourself, and make them understand and appreciate the Divine System. This is how you will be able to instill "life" into them.

This is a positive program unlike any other program. And there is no place in it of any kind of commotion. Leave aside commotion, even if there is a mild sound or unexpected motion then it will have undesirable effect in the training process. Therefore, one has to be extremely cautious and extraordinarily patient in this process; and one must adhere to an already settled program by remaining one-hundred percent focused on its goal. It is obvious that this program requires steady flow like a river and steadfast determination like a rock. *This* is *our* program of propagating the teachings of the Quran, my friends. And *this* is the program that we must adhere to, and abide by. In the methodology or the process of this program there may be some changes in the means by which this program is carried out depending on the needs of the times; but there is absolutely no place in it of rallies and demonstrations, no matter what. If some people are getting impatient then so be it. We cannot change the principles on which the program is based for their sake. Those who join this movement should clearly understand that, here, it is to burn like a moth not to make noise like rooster.

Obstinate people

There is another point that needs to be kept in mind: There are obstinate people – mostly religious obscurantists – that you need to keep away from. These are the people about whom the Quran says that they have already made up their minds not to listen to anything that deviates from their preconceived notions: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۝ (2:6) – As opposed to متقین (*Muttaqeen*), there are کافرین (*K'afireen*) who see the right path clearly, yet do

not adopt it, being impelled by their obstinacy, jealousy, vanity, and vested interests. They do not follow this path themselves, and also prevent others from following it. Whether or not the کافرین (*K'afireen*) are warned about the disastrous consequences of following the wrong path, it is the same for them. They will never adopt the right path. These are the people about whom the Quran says to the Prophet (PBUH) to stay away from: وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا (73:10) – Do not be depressed by what your opponents say about you. Ignore them and remain firm and steadfast on your program. Do not get involved with them. Save yourself by gracefully withdrawing from these people who are not prepared to even listen to you. So, there is no need to waste your time and energy on such people who are stagnant, obstinate, and prejudiced. It is not hard to identify such people if you pay close attention to their mien. These are the people about whom Allama Iqbal says:

They protect their outer shell but ignore their inner essence;
They leave aside the mature kernel and go after the chafes;
They keep the heart of the message far away from themselves;
They surrender the special message and protect the rituals!

So, please convey the Quranic thought to those who want to understand it with reason and knowledge and who are interested in solving the practical problems of humanity. The Quran addresses only those who have within them symptoms of life, and want to elevate themselves on the scale of humanity. It says: لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (36:70) – O Prophet (PBUH)! This code of life has been given to you so that you may warn the nation which still exhibits signs of life and wants to survive. This is the fertile soil in which the seed of thought germinates and eventually becomes a giant tree – and about which Allama Iqbal has said:

Iqbal is not that hopeless from his barren farmland;
As it only takes a little moisture to make it fertile land!

***

Our ignorant friends

The second thing I want to draw your attention to is even more important than this, my friends. It is popular theme that is commonly invoked: "An open enemy is better than an ignorant friend." I can't say how an open enemy is better but I do experience frequently how an ignorant friend can be quite harmful. These "ignorant friends" are part of our movement. Some are even members of Bazms and have been studying Tulu-e-Islam's literature for a long time. But they propagate such wrong ideas about this movement and about me personally that I get quite astonished. May Allah protect us from such

"friends?"

I believe the enemies of this movement do not cause as much harm as the uncalled favors do of these so-called friends. These people have turned out to be very dangerous to this movement and, therefore, they need to be stopped. The way to do this is as follows:

(1) If someone asks you about anything related to Tulu-e-Islam's mission; its beliefs; or my ideology etc.; then first see if the answer is given in any book, pamphlet, or magazine published by Tulu-e-Islam. If it is, then give that piece of literature to him.

(2) If you cannot find the answer in any literature published by the Idara then tell him that I don't have the knowledge about it. Give him the address of the Idara and ask him to find the answer directly from there.

In short, don't give verbal answers to such questions yourselves. The authority is of written words. Present him the written document. Verbal statements come under the category of narrations. Don't entangle yourselves in narrations.

I am requesting every Bazm to keep a close eye on its members. If any member violates this guideline then warn him. If he continues to violate the guideline despite the warning then know that he has joined this movement to deliberately harm it. Protect your Bazm from such people.

At this point I want to declare that Tulu-e-Islam is responsible for only those things that it has *written* its literature. It is not responsible for anything else that is attributed to it.

***

Our practical life

Now my dear friends, I am coming to most important aspect of this address. You are deeply passionate about understanding the Quranic teaching. This is very good thing. But simply understanding the Quran is not the goal by itself. It is understood for the purpose of leading our life according to its message. If the Quran's teaching does not change our character and behavior then it is no more than just a mental pleasure. If the Quran's teaching does not create such revolution deep inside our hearts that is not reflected by our daily life then such an understanding is nothing but applaud of poets, which is of no benefit.

Even if the intellect tells that there's no god except Allah;
If the heart and mind aren't Muslim then life is nothing!

The expression of being Muslim means that the heart and mind are Muslims, and that this must be reflected in our character and behavior. If our character is not clean; if our vision is not lofty; if our manners and behaviors are not kind and humane – then what is the difference between those whom we say that they don't understand the Quran? This is nothing but deceiving ourselves by saying

that we understand the Quran better than them? Well, those who understand the Quran, their daily life must distinguish them from others? And anyone who interacts with them in any matter should get impressed by their beautiful character and immediately assert: here is a good person in an era of human drought. There is no doubt that we want to create Quranic revolution in society. But it does not mean that we have to wait for that society in order to mold our character according to the Quran. Of course there are certain things that cannot happen without changing the society. But why wait for things that can be done individually, like improving our character and manners. Making the society a shield for our weaknesses is a great self-deception. It is unbecoming of those who take the name of the Quran to remain in such self-delusion. Truthfulness, brotherhood, love, kindness, good manner, trustworthiness, keeping promise, broadmindedness, openness in dealings, cleanliness in character, clearness in thought, pure intellect, protecting honor – these should be our distinguishing features at all times. I have mentioned these only as examples. In a nutshell, please understand that our life should be molded on the pattern of the life-model of the Prophet (PBUH) because this is *the* necessary consequence of understanding the Quran. If this does not happen then everything becomes useless.

It is also necessary that we should live a dignified and serious life. We should make sure nothing happens from us that is degrading. Our daily life should be civil and gentlemanly. We should live in peace and wish for peace and security to others. We should never commit any wrong or harm anyone. Our life should reflect kindness and justice.

Pakistan's security

It is also important that nothing should happen from us that weakens the security of Pakistan. This is because all our efforts and all our hopes and aspirations for practically establishing the heavenly Quranic society are tied to the safety and security of this land. For common people this piece of land is just a country but for us it is an essential means to live Quranic life, and an escape hatch from the current hell that humanity is in. From this the importance of its security should be quite obvious to us. We are surrounded by shortsighted Hindus on one side who are determined to take revenge of their centuries old slavery and subjugation; and on the other side there is flood of communism.

Against this monumental flood covering the entire Earth;
Intellect, wisdom, sense, and knowledge are just straws!

Religious extremism and fire

But then there are elements within the nation that were against the creation of Pakistan in the first place, and are still a source of destruction from within.

These elements, under the cover of religion, want to inflame and destabilize the country. They want to take revenge by creating chaos and destruction for that unceremonious defeat they suffered when Pakistan became a reality despite their opposition, and their ego was hurt badly. If you look carefully at this situation then you will find that most of these religious groups are the very ones that were fighting against Pakistan movement and Tulu-e-Islam, because it was supporting the Pakistan movement on the basis of Islam and دین (*Deen*). On the other hand, they were using Islam and دین (*Deen*) as a shield to wage their battle against the creation of Pakistan. These are the same wounds that are still festering in their hearts for their defeat then. These people will try to incite you in every which way but you should not fall into their trap. You must remain calm and cool despite their provocations. You kept your patience and calm under the recent incendiary situation they created in the country when one thousand so-called Islamic scholars published a fatwa against me declaring me an infidel. There was no report of any emotional reaction against this fatwa from any Bazm or any of its members. You deserve my heartfelt congratulations for this!

Sectarianism and political parties

You know that our movement is very much against creating division in the Ummah – whether it is in the name of religion or politics – because it is antithesis of دین (*Deen*).

دین (*Deen*) is the flagbearer of the unity of humankind whose first step is the unity of Ummah. Therefore, nothing should happen from us that has even an inkling of creating division. Since participating in politics is not in our program, we have nothing to do with political machinations and the resulting partisan circuses. There is only one program in front of us, and that is: to understand the Quran and to propagate its teaching; and to create such a change in our own selves and in others in the Ummah that our society progressively gets transformed on Quranic lines. Our way is that:

We don't talk about historical traditions, rituals, piety, creed, or religion;
But we do passionately and boldly talk about the teachings of the Quran!

The law of permanence and change

My dear friends, if there is an error or mistake in whatever I present and if anything in it is not according to the teachings of the Quran then time will erase it. And whatever is according to the Quran in my presentation – it will stay alive despite all the opposition against it. This is because in the Universe permanence and change occurs according the law of Allah. يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ أُمُّ الْكِتٰبِ ۝ (13:39) – The basic law of evolution is that those species which acquire the capacity to survive remain whilst the rest are eliminated. This law, the source of which is with Allah, also applies to nations. Therefore,

if there is something according to the Quran and our current period does not accept it then a future period will accept it. If our message is based on truth then I have one hundred percent conviction that:

Every outline of the sign of time will call on me;
Never think that my story is only limited to me!

Gratitude

My dear friends, when I look back I am amazed how every step of the program that I had in front of me about thirty years ago has been achieved despite lack of resources. While I am totally grateful at every step of the way to Allah and prostrate before Him, I am also thankful to you from the depth of my heart because without your sincere love and affection I would not have been able to cover this long and difficult Quranic journey. Whatever I have presented so far it was limited to Urdu speaking people of the country. But now, not only I want to include the English speaking people of this country but I also want to convey this message to the thinkers and researchers of the West as well, who seem to be eager and desperately in search of a system of life that can only be found in the Quran. You will be happy to note that, by the Grace of Allah, I have started this work in English. [This book is now published entitled, Islam: A challenge to Religion]

Establishment of school

The last step of this program is the establishment of s school that will teach and train the next generations so that their hearts and minds could be molded on the Quranic pattern; and their full potentials are actualized so that they could work for the development and welfare of humanity. It is obvious that this program requires lot of resources and demands great courage. But:

Lack of resources cannot stop the passion and drive for the goal;
The intensity of passion creates its own thrust and way to the goal!

It is this deep-rooted conviction and the determination to achieve my goals that have carried me throughout my life.

Muslim's life is built on conviction and cultivation of deep-rooted wish;
Every generation must keep faith that "Allah doesn't break His promise!"

My practice has been that at any time a program came in front of me I immediately knocked at the door of the Almighty and extended my begging bowl in front of Him just like the brothers of Ibrahim (PBUH) did وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ (12:88) – Take this amount and out of pity for us give us provisions in full measure and be bountiful to us.

And I found that the Merciful One never let me return empty handed. But even

more uplifting is the message that was given to the Prophet (PBUH): وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ۝ (13:40) – As already stated, O Prophet (PBUH), you might wonder whether the end of which your opponents are being warned will come about in your life time or whether you will spend your whole life in these struggles. The end will come according to Our Law of Requital. Your responsibility is only to communicate the message with full confidence that they will be recompensed for their actions since it is Allah Who keeps a watch over what they do.

Therefore, why should we worry about as to when our program will be completed? All we are told is this:

Keep passionately striving and have faith;
Finding the way sometimes is itself wealth!

So, we must passionately keep striving without worrying about the result. If our program is according to the Quran; if our intentions are sincere; and if there is steadfastness in our commitment – then there is no reason that sooner or later the beneficial result won't be achieved because: وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۝ (12:56) – Allah does not waste the efforts of those who do good (balanced) work. This is the promise of Allah and His promise is always true. As for the opposition to the Quranic program, do not worry about that. I have an eye on the world and I see how humanity is suffering under the wrong system of life and how it is desperately in search for the correct way of life. Allah's system is not limited to any particular space and time. Allah addresses the entire humanity. Therefore, opposition to the Quranic system at one place cannot stop its success in other places. No power can stop the demands of time. Please tell those who want to stop the voice of the Quran:

The prison is under your control but it is not;
The blooming of flowers in the spring season!

It is a fact that: وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ (12:21) – Allah has every power to carry out His plans although most people do not know this.

***

My dear friends, whatever I had to say I have said it. Once again I want to congratulate you for participating in this simple but beautiful gathering, and I pray that may Allah strengthen your intention; that He may instill sincerity in your hearts; that He may increase your determination to face opposition with steadfastness. And let the cosmic forces help you in achieving the enlightened and beautiful goal of life that you have chosen for your mission; and may you keep advancing on this Quranic journey by overcoming every barrier that comes your way!

What a good wish is this O Allah? Please listen!

What a good wish is this O Allah? Please listen!

You came here with great enthusiasm:

To light a lamp of desire in every passionate soul;
To make everyone in the Ummah a witness whole!

And when you depart from here then do so with such strong determination that:

It is because of our common passion that our mission's strong base is safe;
We will do everything possible to protect, to glorify, and to beautify this base!

Finally, let us prayer to Allah from the bottom of our hearts: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۧ (2:286)

"O Allah! Do not call us to account if we have forgotten what we ought to do or have fallen into error. May we not be buried under the weight of man-made Laws as were our predecessors? Give us the strength to bear the responsibilities vested in us. If we falter, give us the ability to undo the harm caused by means of good actions. This is how we will be able to secure protection as well as means of development. O Allah! You are our Protector. Grant us success against the K'afireen who oppose Your System." رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (3:8)

"O Allah! Having found the right path, may our hearts not swerve from it? Grant us means of development. You alone bestow. We know that at this time there are differences amongst humankind but are sure that one day all humanity will become united by following Your immutable Laws. Surely Allah never fails to fulfil His Promise. Nothing shall avail those who reject Your Laws, neither their wealth nor their offspring. Their end will be disastrous."

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۧ (7:126)

"O Our Sustainer, give us patience and consistency in such abundance that until our last breath we remain obedient to Your laws."

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۧ (59:10)

"O our Sustainer! Grant us means of protection; and also to our brethren who preceded us in professing Iman. Do not ever put any grudge in our hearts for those who profess Iman. You are compassionate and provider of means of nourishment."

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (2:127)

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts.

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں رائج تھا۔یعنی قرآن کریم کے احکام وقوانین کی اطاعت اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر امت کے مشورہ سے متعلقہ امور کے فیصلے۔اس طریق کو خلافت علیٰ منہاج رسالت کہا جاتا ہے۔

8- بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہوگیا اور دین کا نظام باقی نہ رہا۔اس سے امت میں انتشار پیدا ہوگیا۔خلافت کے زمانے میں تمام امور دین کے نظام کے تابع رہتے تھے۔لیکن بعد میں مذہب اور سیاست میں ثنویت پیدا ہوگئی۔یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔

9- ہمارے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا سلسلہ قائم کیا جائے جو امت کو احکام وقوانین خداوندی کے مطابق چلائے۔ اس نظام کی بلند ترین اتھارٹی کو مرکز ملت کہا جائے گا اور اس کی طرف سے جاری شدہ احکام کی اطاعت خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کے قائم مقام قرار پائے گی۔ظاہر ہے کہ اس نظام کو چلانے والوں کی اپنی زندگی سب سے پہلے قوانین خداوندی کے تابع ہوگی۔

10- چونکہ دین کا نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا' اس لئے اس میں موجودہ ثنویت ختم ہوجائے گی۔یعنی اس میں یہ نہیں ہوگا کہ سیاسی معاملات کے لئے حکومت کی طرف رجوع کیا جائے اور مذہبی یا شخصی امور کے لئے مذہبی پیشوائیت کی طرف۔اس میں یہ دونوں شعبے باہمد گر مدغم ہوجائیں گے۔

11- جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہوجاتا' امت کے مختلف فرقے جس جس طریق پر نماز' روزہ وغیرہ اسلامی احکام پر عمل کر رہے ہیں' کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کوئی رد و بدل کرے یا کوئی نیا طریقہ وضع کر کے اسے ''خدا اور رسول ﷺ'' کا طریقہ قرار دے۔یہ حق قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کو پہنچتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ امت کے اختلافات کو مٹا کر اس میں وحدت پیدا کرے۔

12- قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ نظام تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی' روٹی' کپڑا' مکان' علاج' تعلیم وغیرہ بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔

13- قرآن کا نظام اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد نظام ہے اس لئے نہ وہ دنیا کے کسی اور نظام میں جذب ہوسکتا ہے نہ ان سے مفاہمت کرسکتا ہے۔خواہ وہ مغرب کا جمہوری سرمایہ دارانہ نظام ہو' یا سوشلزم کا آمرانہ اشتراکی نظام۔اس کے نزدیک یہ سب نظام ہائے زندگی غیر خداوندی ہیں لہٰذا باطل۔

14- جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو' یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

15- ہم' رسول اللہ ﷺ کے بعد' ہر قسم کے مدعی وحی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

16- طلوع اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ مذہبی فرقہ سے (اسے فرقہ اہل قرآن سے بھی کوئی تعلق نہیں)' نہ ہی یہ کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ اس کے نزدیک دین میں فرقہ سازی شرک ہے۔امت کے مختلف فرقے جس طریق سے نماز' روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے ہیں' ہم ان میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کرتے۔ہم صرف قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرتے ہیں تاکہ کسی طرح پھر سے قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کا قیام عمل میں آسکے۔ یہ ہے ہمارا مقصد' جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے آرہے ہیں۔

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL. 71
ISSUE
2

Monthly
TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
Web:www.toluislam.com www.facebook.com/talueislam/

بیادِ غلام احمد پرویز

عبدالعزیز خالد

ہو گیا رخصت بساطِ تنگنائے دہر سے
اک خدا آگاہ، روشن فکر مردِ خود گرے

دانش و بینش کا پیکر، پُر بہار و خوش صفات
کلک و قرطاس و لبِ اظہار جس کی کائنات

اک ادارہ، ایک تحریک، اک مشن تھی جس کی ذات
شمع رکھی جس نے روشن فکرِ قرآنی کی تاحینِ حیات

طعنے گمراہی کے سنتا، وار بدنامی کے جو سہتا رہا
بات اپنے دل کی بیباکی سے لیکن برملا کہتا رہا

مہر خاموشی لگی خوفِ فسادِ خلق سے
جس کے ہونٹوں پر نہ پل بھر کے لئے

(کیوں نہ ہو جدت پسندی کو اِبا تقلید سے
کیا دماغ نکتہ پرور کور مغزوں سے ڈرے؟)

جہل فتوے جس کے کفر و قتل کے دیتا رہا
کشتیِ عمرِ رواں جو بحرِ ہیبت ناک میں کھیتا رہا

قرض مرگِ ناگہاں سے روز جو نقدِ نفس لیتا رہا

زندگی بھر تنگ ظرفی سے کیا جس نے نباہ
اک زمانہ جس کے عزم و استقامت کا گواہ

بے گناہی کے سوا کیا تھا بھلا اس کا گناہ؟
تھی بقولِ محرماں اس کو نہ حرصِ مال و جاہ

باوجود بے نوائی بے محابا، بے پناہ
کچھ نہ رکھتا تھا وہ اقبالی قلندر

جُز دو حرف لا اِلٰہ

کوہکنؔ کی جس میں پامردی، یہ وہ پرویز تھا
اور اسی باعث تھی شیرینؔ خرد اس پر فدا

صاحبِ فرہنگ، اندیشہ سگالے، عاقلے
کہتے تھے جس کے عقیدت مند ''بابا جی'' اُسے

وہ وفاداری بشرطِ استواری کی مثال
عمر بھر کی بے قراری کا ثمر جس کا کمال

تھے بہم جس میں مذاقِ منطق و ذوقِ جمال
آگہی کی اِک فروزاں شمع تھی جو بجھ گئی

آہ بیدردی تری! اے زندگی! اے زندگی!